جاری کردہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

اپریل ۱۹۹۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۱۲۱	اپریل ۱۹۹۵ء ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ	عدد: ۴

فہرست مضامین

ادارتی امور

منصورہ ملتان روڈ لاہور ۵۴۵۷۰

فون ۷۵۷۰۱۲۴۴ - فیکس ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

فون ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۲/- روپے

زر سالانہ ۱۲۰/- روپے

مشرق وسطی ۵۰۰/- روپے

بنگلہ دیش ۳۰۰/- روپے

یورپ، مشرق بعید ۶۰۰/- روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۷۰۰/-

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

علما قوم کے طبیب ہیں، حکام اور اہلِ دولت، صفائی اور حفظانِ صحت کے ذمہ دار ہیں۔ قوم کی غیرتِ ایمانی اور حاسۂ اخلاقی بمنزلہ قوتِ حیات (vitality) ہے۔ اجتماعی ماحول کی حیثیت وہی ہے جو ہوا، پانی، غذا اور لباس و مکان کی ہے، اور حیاتِ قومی میں دین و اخلاق کے اعتبار سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وہی مقام ہے جو صحتِ جسمانی کے اعتبار سے صفائی و حفظانِ صحت کی تدابیر کا ہے۔ جب علما اور اولی الامر اپنے اصلی فرض یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ دیتے ہیں، اور شر و فساد کے ساتھ رواداری برتنے لگتے ہیں تو گمراہی اور بداخلاقی قوم کے افراد میں پھیلنی شروع ہو جاتی ہے اور قوم کی غیرتِ ایمانی ضعیف ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا اجتماعی ماحول فاسد ہو جاتا ہے۔ قومی زندگی کی فضا خیر و صلاح کے لیے نامساعد اور شر و فساد کے لیے سازگار ہو جاتی ہے۔ لوگ نیکی سے بھاگتے ہیں، اور بدی سے نفرت کرنے کے بجائے اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں، اخلاقی قدریں الٹ جاتی ہیں، عیب ہنر بن جاتے ہیں، اور ہنر عیب۔ اس وقت گمراہیاں اور بداخلاقیاں خوب پھلتی پھولتی ہیں، اور بھلائی کا کوئی بیج برگ و بار لانے کے قابل نہیں رہتا۔ زمین، ہوا اور پانی سب اس کو پرورش کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، کیونکہ ان کی ساری قوتیں اشجارِ خبیثہ کو نشو و نما دینے کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔ جب کسی قوم کا یہ حال ہو جاتا ہے، تو پھر وہ عذابِ الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے، اور اس پر ایسی عام تباہی نازل ہوتی ہے جس سے کوئی نہیں بچتا، خواہ وہ خانقاہوں میں بیٹھا عبادت گزاری ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اشارات، جلد ۵، عدد ۲، ذی الحجہ ۱۳۵۳، اپریل ۱۹۳۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

توہینِ رسالت کا حالیہ مقدمہ، معمول کے مطابق محض جرم و سزا کا ایک مقدمہ ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ اگر دونوں ملزم بے گناہ تھے، یا ان کا جرم شرعی معیار شہادت کے مطابق ثابت نہ ہو سکا تھا، یا اس میں کوئی ادنیٰ سا بھی شبہ تھا، تو حق و انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو بری کر دیا جائے: اس حق و انصاف اور رحم و درگزر کا جس کی تعلیم ہمیں اسی نے دی ہے، صلی اللہ علیہ وسلم، جس کی توہین کا یہ مقدمہ تھا، جس نے بدترین دشمن کے ساتھ بھی عدل و رحم کا برتاؤ کیا ہے، اور ہر قیمت پر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ تو ہمارے معاہد اور برابر کے شہری تھے۔ مگر پورے مقدمہ کے دوران جس طرح اور جس پیمانہ پر طاقت ور بیرونی اور اندرونی قوتیں اثر انداز ہوتی رہیں، اس نے اس مقدمہ کو ایک غیر معمولی نوعیت دے دی ہے۔ اس نے توہینِ رسالت کے معاملہ کو ہمارے مقدر کا، ہمارے حال اور مستقبل کا ایک آئینہ بنا دیا ہے۔ اگرچہ افسوس کی بات ہے کہ، اس کی وجہ سے ملزمان کی برات بھی مشتبہ ہوگئی ہے، جو یقیناً ان کے ساتھ ایک بے انصافی ہوئی ہے۔

اس آئینہ میں وہ ساری کھلی اور چھپی صورتیں بالکل آشکار ہوگئی ہیں جو آج ہمارے مستقبل کی نقشہ گری اور ہمارے مقدر کے بنانے بگاڑنے میں کلیدی کردار ادا کر رہی ہیں: اندرونی بھی اور بیرونی بھی، تہذیبی بھی اور سیاسی بھی، فکری بھی اور ابلاغی بھی۔ اس آئینہ میں ہم یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری بربادی کے مشورے کہاں ہو رہے ہیں، جنگ کا نقشہ کیا ہے، محاذ کہاں کہاں کھولے جا رہے ہیں، مورچے کہاں کہاں بنائے گئے ہیں، چالیں کیا کیا چلی جا رہی ہیں، دُور مار توپیں کدھر کدھر سے گولہ باری کر رہی ہیں، ہتھیار کون کون سے استعمال ہو رہے ہیں، پیش قدمی کن کن راستوں سے ہو رہی ہے، اندر کون کون ایجنٹ بنے ہوئے ہیں، عزائم کیا ہیں اور اصل ہدف کیا ہے ــــ اور یہ بھی کہ ــــ ہماری قوت کا اصل راز کیا ہے، ہم بازی کیسے پلٹ سکتے ہیں، بلکہ جیت سکتے ہیں۔

ایک چہرہ مغرب کا ہے، اس کے حکمرانوں، اہل کاروں اور سفارت کاروں، اور میڈیا کے سحر

کاروں کا چہرہ' جو پورے مقدمہ کے دوران تیز تیز چلتے' بھاگ دوڑ کرتے نظر آتے رہے۔ اب یہ کچھ ایسا ڈھکا چھپا بھی نہیں رہا۔ ذرا موقع نکلتا ہے' فوراً اوپر سے تہذیب' روشن خیالی' اور انسانی ہمدردی کا چھلکا اتر جاتا ہے' اور نیچے سے وہی.. ۱۴ سال پرانا' مسلمان اور اسلام کی دشمنی اور پیغمبر اسلام' صلی اللہ علیہ وسلم' کے خلاف نفرت اور غصہ ٹپکاتا ہوا چہرہ نمودار ہو جاتا ہے۔ سیکولر اور انسانی حقوق کی علم بردار ریاستیں بالآخر محض "عیسائی" ریاستیں ثابت ہوتی ہیں جو ہر ملک میں' ملکی قوانین کے خلاف' "عیسائی حقوق" کے لیے سرگرم ہو جاتی ہیں ـــ فلسطین ہو یا بوسنیا' کشمیر ہو یا چیچنیا' الجیریا ہو یا فرانس۔ چہرہ روشن' اندرون چنگیز سے تاریک تر۔ مغرب کی یہ قوتیں ہمارے ہاں تہذیبی اور سیاسی غلبہ رکھتی ہیں' ہماری قسمت کے ساتھ کھیل رہی ہیں' یہاں تک کہ اب ہمارا ایک قانون اور ہمارے دو شہریوں کے خلاف ہماری عدالت میں ایک مقدمہ بھی ان کے غلبہ سے آزاد نہیں۔

ایک چہرہ مغرب کے فرزندوں کا ہے جو لارڈ میکالے کے خواب کی مکمل تعبیر ہیں: "خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہم میں سے ہیں' مگر مذاق اور رائے' الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز" ۔ یا' خلیل جبران کے الفاظ میں: "[جن کے جسم خواہ یہاں پیدا ہوئے ہوں] ان کی روحوں نے مغربی ہسپتالوں میں جنم لیا ہے۔ جو فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہیں' مگر ہمارے سامنے' افرنگ کے سامنے کمزور اور گونگے ہیں۔ جو آزادی کے علم بردار ہیں' مصلح ہیں' پُرجوش ہیں' مگر اپنے اسٹیجوں پر' اہل مغرب کے سامنے اطاعت کیش اور رجعت پسند ہیں" ۔ یہ فرزندانِ مغرب توہینِ رسالت جیسے معاملات میں ایک سو ایک فی صد مغرب کے ہم نوا رہتے ہیں' مغرب سے بڑھ کر پیش پیش ہوتے ہیں۔

ایک چہرہ ان کا ہے جو کسی طرح بھی لارڈ میکالے کے خواب کی مکمل تعبیر نہ بن سکے' وہ اسلام اور ملت سے اپنا رشتہ کھرچ نہیں سکے' لیکن کسی نہ کسی درجہ میں افکارِ فرنگ کے طلسم میں گرفتار ہیں۔ ان کے مزاج کے لیے بھی یہ قبول کرنا مشکل ہوا ہے کہ توہینِ رسالت کی سزا موت ہو۔ وہ پوچھتے ہیں: کیا یہ سخت سزا قرآن سے ثابت ہے؟ کہیں یہ مُلّا کی تنگ نظری اور شدت کا شاخسانہ تو نہیں؟ جو رحمت للعالمین تھے اور جنھوں نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں' ان کی توہین پر ایسی سخت سزا! دنیا ہمارے بارہ میں کیا کہے گی' ہمیں کیا سمجھے گی' ہم اسے کیا منہ دکھائیں گے؟

خودنگری اور مستقبل بینی کا یہ آئینہ ہمارے ہاتھوں میں اگر مسئلہ توہین رسالت' کے ذریعہ آیا' تو بالکل بجا آیا۔ "قوم را سرمایہ قوت ازو' حفظِ سرِّ وحدتِ ملّت ازو" اور "ما زحکم نسبتِ او ملتیم": آنحضور ؐ کی ذات مبارک ہی ہماری قوت کا سرمایہ ہے' ہماری وحدت کا راز آپ ؐ سے وابستگی میں ہے' آپ سے نسبت ہی نے ہمیں ایک ملت بنایا ہے۔ بلکہ' ہمارے جسدِ ملی میں رسالت ہی کی جان

پھونکی گئی ہے' اسی کے دم سے ہمارا دین ہے' ہمارا آئین ہے۔ "حق تعالیٰ پیکر ما آفرید' وز رسالت در تن ماجاں دمید" اور "از رسالت در جہاں تکوین ما' از رسالت دین ما آئین ما"

مغرب کا اضطراب اور شور و غوغا قابلِ فہم ہے۔ اس لیے نہیں' جیسا بعض لوگ سلمان رشدی کے واقعہ کے وقت سے کہہ رہے ہیں' کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک رسول کا مقام کیا ہے' اور کیوں ہے۔ مغرب سے ہماری مراد سارے اہلِ مغرب نہیں' ان میں سے اکثر کے بارہ میں یہ بات صحیح ہے۔ اور مغرب کے طلسم میں گرفتار سادہ دل مسلمانوں کے بارہ میں بھی۔ اور یقیناً ان سب کو سمجھانے کی ضرورت ہے' ان کو سمجھا لینے ہی میں ہماری کامیابی پوشیدہ ہے۔ مگر جو حکمران سفارت کار' دانشور اور میڈیا کے سحر کار قانونِ توہینِ رسالت کے خلاف پیش پیش ہیں' وہ اسی لیے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان ملت کی زندگی' وحدت اور قوت و توانائی کا راز حضور ﷺ کے ساتھ وابستگی اور عشق و محبت میں پوشیدہ ہے' اور ان کی سربلندی کا راز بھی۔ "در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است"

اسی لیے ہزار سال سے اوپر مدت ہوگئی' ان کے نقشہ جنگ کا ہدف یہی "مقام مصطفیٰ ﷺ" ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہی ملت کا "قلب" اور "دارالحکومت" ہے' اور اس کی شکست و ریخت' بربادی اور اس پر قبضہ کے بغیر اس ملت کو زیر کرنے کا اور کوئی نسخہ نہیں۔ اسی لیے حضور ﷺ کی ذات ان کے سارے حملوں کا اولین ہدف رہی ہے' اور ہے۔ اسی لیے وہ مسلسل ہر قسم کے انتہائی غلیظ وار آپ ﷺ کے خلاف کرتے رہے ہیں۔ اسی لیے سلمان رشدی ان کی آنکھوں کا تارا ہے' یورپ کی حکومتوں کے سفارتی تعلقات اور تجارتی مفادات اس کے خلاف "فتویٰ" کے محور پر گھوم رہے ہیں۔ اسی لیے تسلیمہ نسرین ان کی ہیرو ہے۔ اسی لیے ہر وہ مسلمان جو شریعتِ مصطفوی کو بے وقعت کرے' جو تعلیماتِ محمدی کو مشکوک بنائے' جو مقامِ مصطفوی کو مجروح کرے' وہ انھیں محبوب ہے۔

اسی لیے حالیہ مقدمہ میں دو افراد کے خلاف مقدمہ دائر ہوتے ہی' بیرونی ذرائع ابلاغ اور سفارت کار حرکت میں آگئے اور یہ واقعہ عالمی شہرت کا حامل بن گیا۔ ان سب کا ہدف ملزموں کی بے گناہی ثابت کرنا نہیں' توہین رسالت کے قانون کی تنسیخ رہا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو' بی بی سی' وائس آف امریکہ' اخبارات' جرائد میں نشریات' مضامین اور خبروں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ بیرونی لابیوں کے ساتھ پاکستان کا ہیومن رائٹس کمیشن بھی متحرک ہوگیا۔ امریکہ میں پاکستانی سفیر' ملیحہ لودھی گوجرانوالہ گئیں اور عدالت پر ضمانت کے لیے زور ڈالا۔ امریکی نائب وزیر خارجہ' رابن رافیل نومبر ۱۹۹۴ میں

اسلام آباد آئیں' تو وزیر اعظم پاکستان کے ساتھ مذاکرات کے دوران اس کیس کو اٹھایا' اور سکرٹری خارجہ نے انھیں یقین دلایا کہ ملزموں کو ضمانت پر رہا کر دیا جائے گا۔ وزیر اعظم نے اس مقدمہ میں ذاتی دلچسپی لی' سزا ہوئی تو انھیں سخت دکھ ہوا۔ اپریل ۹۴ میں مرکزی کابینہ نے ان کی صدارت میں گستاخ رسول کے لیے موت کی سزا کو ۱۰ سال قید کی سزا میں تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ تو عوامی ردعمل کا خوف ہے جو اب تک ایسے کسی اقدام سے روکے ہوئے ہے۔ پھر جب ملزموں کو سیشن کورٹ سے سزا ہو گئی تو سارے بین الاقوامی سفارتی اور ابلاغی ذرائع نے نفرت انگیز پروپیگنڈے اور حکومت پر دباؤ ڈالنے کی مہم تیز تر کر دی۔ برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر ملزمان سے ملاقات کے لیے جیل پہنچ گئے۔ لاہور ہائی کورٹ کی ایک بنچ نے' جو دو عارضی ججوں پر مشتمل تھی مسلسل روزانہ اپیل کی سماعت شروع کر دی۔ بالآخر ملزمان رہا ہو گئے اور راتوں رات ان کو جرمنی روانہ کر دیا گیا۔

ہم اقلیتوں کو یہی یقین دہانی کراتے رہے ہیں کہ قانونِ توہینِ رسالت کے بعد فیصلے عدالت کرے گی اور لوگ قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لیں گے' عدالتوں کے فیصلے تسلیم کیے بغیر کوئی مہذب اور پُرامن معاشرہ قائم بھی نہیں ہو سکتا۔۔۔ اور ہمیں امید ہے کہ ہائی کورٹ نے صحیح فیصلہ کیا ہو گا۔۔۔ لیکن اس مسلسل بین الاقوامی اور حکومتی دباؤ اور عدالتی کارروائی میں حیرت انگیز سرعت نے پورے فیصلہ کو مشکوک بنا دیا ہے۔ اس دباؤ کے آگے اس دباؤ کی کیا حیثیت اور کیا وزن جو عدالتی کارروائی کے دوران اور فیصلہ کے بعد عوام نے لاہور کی سڑکوں پر نکل کر ڈالا۔ ہر تجزیہ نگار' پوراپس منظر جان بوجھ کر نظرانداز کر کے' سارا زور عوامی احتجاج کی مذمت کرنے میں لگاتا ہے۔ ہم بھی کسی عدالت پر اس طرح عوامی دباؤ ڈالنے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ دوسری طرف سے وہ لوگ زبردست دباؤ ڈال رہے ہیں جن کی مٹھی میں حکمرانوں کے اقتدار کی کنجی ہے' ڈالر ہیں' دہشت گرد قرار دینے کی لاٹھی ہے' امریکہ کے دَورہ کا اعزاز ہے' تو پھر وہ اتنا بھی نہ کرتے تو کیا کرتے۔

تہذیب کے دعووں کے ساتھ اب مغرب کے لیے قرونِ وسطیٰ کی طرح دشنام طرازیاں تو ممکن نہیں' ان کی جگہ آج کے رائج الفاظ کے پردہ میں توہین رسالت کے قانون پر حملہ ہو رہا ہے: انسانی اور بنیادی حقوق کے خلاف ہے' مذہبی آزادی کے خلاف ہے' اظہار رائے کی آزادی کے خلاف ہے' اقلیتوں کے خلاف تعصب اور امتیاز پر مبنی ہے' اقلیتی فرقوں کے سر پر ننگی تلوار لٹکا دی گئی ہے' فرقہ واریت اور ذاتی عناد کی بنا پر غلط استعمال ہو رہا ہے' اس سے 'ملّا' کا' بنیاد پرستی' کا' مذہبی جنون' کا' تنگ نظری' کا زور بڑھ گیا ہے' تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

توہینِ رسالت کے لیے سزا' اس مقصد کے لیے رائج الوقت قانون' اس کا استعمال اور اس بارہ

میں خدشات کو حالیہ مقدمہ سے الگ کر کے دیکھا جائے' تب ہی ایک منصف مزاج آدمی اس قانون کے خلاف سارے مباحث میں کسی صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے۔

بنیادی اور اولین سوال یہ ہے کہ کیا توہین رسالت کوئی جرم نہیں ہے' اور جرم ہے بھی تو کیا اس پر کوئی سزا نہیں ہونا چاہیے؟ رسالت تو بڑی چیز ہے' دنیا بھر میں ہمیشہ سے کسی بھی انسان کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانا' تحریراً ہو یا زبانی' ایک جرم قرار دیا گیا ہے' اور ہتک عزت کے جرم کے لیے سزا کا قانون موجود رہا ہے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آیا کہ کسی دوسرے انسان کی بے عزتی کرنا' توہین کرنا ایک انسان کا انسانی اور بنیادی حق ہو سکتا ہے' اور اس پر سزا دی جائے تو اس حق کی خلاف ورزی ہوگی۔ آج مغرب میں بھی یہی تصور اور یہی قانون ہے۔ ہاں' یہ بات ضرور ہے کہ مغربی قوانین کے تحت جس کی ہتک عزت ہوئی ہو وہ خود ہی مدعی بن سکتا ہے۔ گویا' کیونکہ رسول' یا کوئی بھی دنیا سے گزرا ہوا آدمی' اب خود مدعی نہیں بن سکتا اس لیے اس کی جتنی توہین کر لی جائے' یہ جرم قابلِ سزا نہیں ہو سکتا۔ سلمان رشدی کے معاملہ میں مغرب نے مسلمانوں کے خلاف اسی دلیل کا سہارا لیا۔

لیکن اس سے زیادہ بودی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ جب ایک عام آدمی کی ہتکِ عزت بھی قابلِ تعزیر جرم ہو' تو اس شخص کی ہتک عزت کیوں نہ ہو جو کروڑوں کو اپنی جان و مال ہی نہیں اپنی ذات سے بڑھ کر محبوب ہے' جس کی عزت اور نام سے ان کی عزت اور نام وابستہ ہے' جس کی توہین سے ان کی ذات کی' ان کے نام کی' ان کی اپنی عزت کی' ان کے دین کی' ان کے آئین کی' ان کی ملت کی توہین ہوتی ہے؟ حضورؐ کا مقام تو ہر مسلمان کے لیے یہی ہے۔ اس کی آبرو آپؐ کے نام سے ہے "آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است"۔ وہ مسلمان ہو نہیں سکتا جب تک حضورؐ اسے اپنی جان' مال' والدین' دنیا کی ہر چیز' یہاں تک کہ اپنے نفس اور ذات سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ و الناس اجمعین (بخاری' مسلم)۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اس جرم کے لیے موت کی سزا بہت سخت اور احترامِ آدمیت کے خلاف ہے؟ اگر اعتراض فی نفسہٖ موت کی سزا پر ہے کہ یہ وحشیانہ ہے' تو وہ زمانہ گزر گیا جب تہذیب کے جوش میں موت کی سزا کو بالکل منسوخ کرنے کی ہوا چلی تھی۔ اب تو انتہائی "مہذب" اور "انسان دوست" ہونے کے دعوے دار ملکوں میں' ایک کے بعد ایک' یہ سزا بحال کی جا رہی ہے' بلکہ ہر ملک جہاں یہ سزا ختم کی گئی' وہاں کی بھاری اکثریت موت کی سزا کی بحالی کے حق میں ہے۔ نہ صرف موت کی سزا' بلکہ جسمانی سزا کے حق میں بھی۔ جب سنگاپور میں ایک امریکن کو ۶ بید مارنے کی سزا دی گئی تو'

حکومت اور چند طبقات کی مخالفت کے باوجود' امریکنوں کی اکثریت نے اس سزا کی حمایت کی۔ مغرب میں بھی اس قسم کے جرم پر سخت سزاؤں کے قوانین موجود ہیں' اور پہلے تو زندہ جلایا جاتا رہا ہے۔

اگر اعتراض یہ ہو کہ یہ سزا جرم کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہے' تو اس جرم کی نوعیت کا فیصلہ تو وہی کر سکتے ہیں جن کو اور جن کے پورے معاشرہ کو اس جرم سے نقصان پہنچ رہا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار' اخلاق' صداقت' امانت' عدالت کو مجروح کرنا دراصل دین' ایمان' آئین' ریاست اور پوری امت مسلمہ' سب کو مجروح کرنا ہے۔ مسلمان ہی اس معاملہ میں مناسب قانون سازی کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ان کی مقننہ نے یہی سزا مناسب سمجھ کر یہ قانون منظور کیا ہے' ان کی اعلیٰ عدالتوں نے اس پر مُہرِ تصدیق ثبت کی ہے۔ یہ ایک جمہوری طریقے سے طے کردہ قانون ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عمر قید کی سزا موت کی سزا سے زیادہ وحشیانہ اور ظالمانہ سزا ہے' لیکن کوئی پارلیمنٹ یا کانگریس اپنی حدود میں یہ سزا دینے کا قانون بنائے' تو ہم اس کا فیصلہ کیسے بدلوا سکتے ہیں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ قانون عیسائی اور ہندو جیسے اقلیتی فرقوں کے خلاف تعصب و امتیاز پر مبنی ہے' ان کو کچلنے' دبانے اور حقوق سے محروم کرنے کے لیے بنایا گیا ہے' گویا ان کے سروں پر ننگی تلوار لٹکا دی گئی ہے؟ جہاں تک قانون کا تعلق ہے' اس میں ایک حرف اور ایک نقطہ بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو اقلیتی فرقوں کے خلاف ہو یا ان کا کوئی حق سلب کرتا ہو۔ اس کا اطلاق کسی نام نہاد مسلمان پر اسی طرح ہو گا جس طرح غیر مسلم پر۔ تعصب و امتیاز کی بات اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جب یہ گمان کیا جائے کہ اقلیتی فرقوں کی باقاعدہ نیت یا پروگرام ہے کہ وہ توہین رسالت کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کا ایسا کوئی ارادہ یا منصوبہ نہیں' اگرچہ باہر والے ان سے یہ حرکت کروا کے انھیں اپنے مسلمان بھائیوں سے لڑانے اور انھیں پاکستان میں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے منصوبے رکھتے ہوں۔ اگر اعتراض کی بنیاد یہ ہو کہ اس میں دوسرے مذاہب کے پیغمبروں کی توہین کو شامل نہیں کیا گیا ہے' تو یہ اعتراض بجا ہے اور اسے' اسلامی نظریاتی کونسل اور شریعت کورٹ کی سفارش کے مطابق' دُور کیا جانا چاہیے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ کیا یہ قانون اس لیے منسوخ کر دیا جائے کہ ذاتی عناد یا فرقہ واریت کی خاطر اس کا غلط استعمال ہوا ہے' یا خدشہ ہے کہ ہو سکتا ہے؟ اگر خود قانون میں کوئی ایسی خامی ہے' خلا ہے' ابہام ہے' جو غلط استعمال کا ذریعہ بن سکتا ہے' تو ہماری رائے میں ایسی ہر خامی کو دور کیا جانا چاہیے' اور ممکنہ غلط استعمال کے خلاف ہر ممکن تحفظ فراہم کرنا چاہیے۔ یہ ایسا معاملہ نہیں جو باہمی گفت و شنید سے حل نہ کیا جا سکتا ہو۔ ہمیں صرف مقام رسالت کا تحفظ مطلوب ہے' بے گناہ لوگوں کو توہین رسالت کے نام پر سزا دلوانا تو خود توہینِ رسالت کے زمرہ میں آسکتا ہے۔

لیکن اگر غلط استعمال کسی فرد یا پولیس کے غلط کردار کی وجہ سے ہے' تو اس کا علاج منسوخی نہیں۔ اس وجہ سے تو ہر قانون کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ قیام امن کے ' انسداد دہشت گردی کے ' لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانیوں کی روک تھام کے ' قوانین حکومتیں بے دردی کے ساتھ اپنے سیاسی مخالفین کو کچلنے کے لیے استعمال کر رہی ہیں ' کیا ان سب کو منسوخ کر دیا جائے؟ قتل کے قانون کے تحت پولیس اور بااثر لوگ بے گناہوں کو پھانستے ہیں ' ان کو لوٹا جاتا ہے ' بعض پھانسی پر بھی چڑھ جاتے ہیں ' کیا ان کو بھی منسوخ کر دیا جائے؟ کوئی معقول آدمی یہ بات نہیں کہے گا۔ ذاتی عناد کی بنا پر بھی ملک میں بے شمار مقدمات کھڑے کیے جاتے ہیں۔ اس ظلم کا کوئی خصوصی تعلق اقلیتی فرقوں سے نہیں۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ کیا قانون توہینِ رسالت کی وجہ سے فرقہ واریت میں ' مذہبی جنون میں ' اقلیتوں کے خلاف تشدد میں اضافہ ہوا ہے کہ یہ قانون منسوخ کر دیا جائے؟ سب سے زیادہ اضافہ ہوا ہے اور شدت پیدا ہوئی ہے تو شیعہ سنی فرقہ واریت میں۔ حد سے بڑھتی ہوئی قتل و خون ریزی کی وجہ نسلی اور لسانی تعصبات ' سیاسی جھگڑے اور انتقامی کارروائیاں ہیں۔ اس میں کوئی دخل قانون توہین رسالت کا نہیں ' نہ کسی اور قانون کا۔ اور ان کا شکار اکثریتی فرقہ ہے نہ کہ اقلیتی فرقے۔ ایک ایسے معاشرہ میں جہاں روز بروز تشدد اور خون ریزی بڑھ رہی ہے ' کیا اقلیتی فرقوں کے لوگ اس سے بالکل محفوظ رہ سکتے ہیں؟ پھر تشدد کے ہر واقعہ کو فوراً اقلیت کے خلاف ظلم قرار دینا کہاں تک بجا ہے؟ پاکستان میں آج تک کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا ' ذرا بھارت کے جمہوری ' سیکولر ' روشن خیال ملک پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے ' جہاں کوئی مذہبی قوانین نہیں ' جہاں ملا کا غلبہ نہیں ' جہاں افغان جہاد کی باقیات نہیں ' لیکن جہاں فرقہ وارانہ فسادات روز کا معمول ہیں۔

قرآن و سنت کے دلائل سے جس طرح شاتم رسول کی سزا ثابت ہے ' اور اس پر جس طرح فقہائے امت کا اجماع ہے اور جس طرح اس پر ' ماسوا دَورِ غلامی کے ' ہر مسلمان ملک میں ہر زمانہ میں عمل درآمد ہوتا رہا ہے ' اور دورِ غلامی میں بھی مسلمان جس طرح اپنا خون دے کر اسے نافذ کرتے رہے ہیں ' اسے بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ اس بارہ میں جمہور مسلمانوں کے درمیان نہ کبھی اختلاف رہا ' نہ کوئی شک و شبہ۔ جس کو تحقیق کا شوق ہو ' اس کے لیے ۱۔ محمد اسمٰعیل قریشی کی ناموس رسول اور قانون توہین رسالت ' ۲۔ ابن تیمیہ کی الصارم المسلول علی شاتم الرسول ' ۳۔ تقی الدین سبکی کی السیف المسلول علی من سب الرسول ' اور ۴۔ ابن عابدین شامی کی تنبیہ الولاۃ و الحکام علی احکام شاتم خیر الانام کا مطالعہ کافی ہو گا۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ رحمت للعالمین نے تو گالیاں سن کر 'پتھر کھاکر' دعا دی' اب ان کو گالی دینے والے کو موت کی سزا دی جائے؟ ایسے لوگ رحمت کے مفہوم سے آگاہ نہیں۔ رحمت کا تقاضا جہاں عفو و درگزر ہے' وہاں انصاف بھی ہے۔ رحمت للعالمین نے واقعہ افک میں قذف کے مرتکبین کو کوڑے لگوائے' زنا کے مجرموں کو سنگسار کرایا' مسلح لشکر لے کر نکلے جس نے بدر کے میدان میں ۷۰ سرداران قریش کو تہہ تیغ کر دیا' فتح مکہ کے دن جب ہر جانی دشمن کو معافی مرحمت فرما دی گئی' چھ مرتدین اور شاتمین کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ آپ ؐ یہ نہ کرتے تو فساد مچتا' اور زیادہ ظلم برپا ہوتا۔ آپ نے کوئی حکم اپنی ذات کی خاطر نہیں دیا' دین اور ملت کے تحفظ کی خاطر دیا۔ جب رسالت ہی ایمان کی' دین کی' ملت کی بنیاد ہے' اس کی زندگی کی ضمانت ہے' تو توہین رسالت کے جرم کو سزا دینا عین رحمت کا تقاضا تھا۔ اسی لیے یوم قیامت کو۔۔جس دن نیکوکاروں کو انعام سے نوازا جائے گا' مگر بدکار جہنم میں جھونکے جائیں گے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت' رحمانیت اور رحیمیت کا دن قرار دیا ہے (الفاتحہ' الانعام)۔

موت کی سزا کا قانون کچھ فقہا و علما' ملاؤں اور جنونیوں ہی کا "جرم" نہیں' اچھے اچھے مغربی تعلیم یافتہ لوگ' جنھوں نے روح اسلام کو ضائع نہ کیا اور مقام محمدی ؐ سے آگاہ رہے' اس "مذہبی جنون" کے جرم میں شریک رہے ہیں۔ علم الدین شہید نے' قانون اپنے ہاتھ میں لے کر' راج پال کو قتل کیا تو اس کے مقدمہ کی پیروی قائداعظم نے کی' علامہ اقبال نے رشک کے ساتھ کہا کہ "یہ لونڈا ہم سب پر بازی لے گیا"' اسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا' اور یہ شعر بھی کہا:

"ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ	قدر و قیمت میں ہے جن کا خون حرم سے بڑھ کر"

اسی جرم میں ایک خانساماں نے ایک انگریز میجر کی بیوی کا کام تمام کر دیا۔ میاں سر محمد شفیع نے' جو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بھی تھے' اس کے مقدمہ کی پیروی کی۔ دوران بحث ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ ہائی کورٹ کے انگریز ججوں نے حیرت سے پوچھا: "سر شفیع' کیا آپ جیسے ٹھنڈے دل و دماغ کا بلند پایہ وکیل بھی اس طرح جذباتی ہو سکتا ہے؟" سر شفیع نے جواب دیا: "جناب' آپ کو نہیں معلوم' ایک مسلمان کو اپنے پیغمبر کی ذات سے کتنی گہری عقیدت اور محبت ہوتی ہے۔ سر شفیع بھی اگر اس وقت وہاں ہوتا تو وہ بھی یہی کر گزرتا جو اس ملزم نے کیا ہے"۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے بعض مسیحی بھائیوں نے اس قانون کے معاملہ میں حق پسندانہ اور معتدل مسلک اختیار کیا ہے۔ بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر' آں جہانی بشیر مسیح کے الفاظ ایسے ہی موقف

کے آئینہ دار ہیں: "ہم اس [قانون] کے خلاف نہیں۔ کوئی بھی سچا مسیحی توہین رسالت کا تصور نہیں کر سکتا' اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر واقعی کوئی اس قبیح جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ موت سے بھی سخت سزا کا حق دار ہے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کسی بے گناہ کو اس قانون کا نشانہ بنایا جائے"۔ (عالم اسلام اور عیسائیت 'ج ۴' ش ۶' جون ۱۹۹۴' ص ۴)۔ اسی طرح ماہنامہ کلام حق میں پادری ڈاکٹر کے ایل ناصر کے صاحبزادہ میجر ٹی ناصر کے الفاظ ہیں: "ہم مسیحی قوم تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵-سی یعنی گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم [کی سزا] کے مخالف نہیں۔ ہم صرف یہ درخواست کرتے ہیں کہ ایک خصوصی کمیشن بنایا جائے -- غیر جانبدارانہ تحقیقات کریں اور اگر ملزم واقعی مجرم ہو تو اس کو قانون کے مطابق سزا دی جائے' ورنہ بصورت دیگر رہا کر دیا جائے۔ مقدمہ بھی خصوصی عدالت میں چلایا جائے' اور ملزم کو تمام قانونی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں' تاکہ اقلیتوں' خاص طور پر مسیحی اقلیت کو تحفظ و انصاف کا احساس ہو" (ایضاً' ص ۲۵)۔ یہ مطالبات یقیناً بجا ہیں۔

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مسیحی لیڈروں کی اکثریت 'سوچے سمجھے بغیر' اس قانون کی اندھی مخالفت پر تُل گئی ہے۔ اس طرح وہ ایک طرف مغربی سامراجی طاقتوں کے آلۂ کار بھی بن رہے ہیں' دوسری طرف پاکستان میں اسلام دشمن اور سیکولر عناصر کے دوش بدوش کھڑے ہو گئے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں ادب سے عرض کریں گے کہ اگر ان کے پیشِ نظر اس قانون کے بارہ میں خدشات کے خلاف ضروری تحفظات حاصل کرنا ہے' بلکہ پاکستان کے شہری ہونے کے ناتے پاکستان میں اپنا جائز مقام حاصل کرنا ہے' تو انھوں نے غلط راستہ اختیار کیا ہے۔ نہ بیرونی طاقتوں کی مداخلت سے انھیں یہ حاصل ہو سکتا ہے' نہ سیکولر عناصر کی مدد سے' اگرچہ وہ اقتدار میں آجائیں۔ اس کا راستہ یہ ہے کہ وہ محبِ اسلام ممتاز شہریوں اور حق پسند علما اور دینی جماعتوں سے گفت و شنید کا آغاز کریں' انھیں اپنے خدشات سے آگاہ کریں' ممکن ہو تو ایک مشترک مسلم کرسچین کونسل تشکیل دیں' مسلمانوں پر زور دیں کہ وہ خاص طور پر اس قانون کے ضمن میں اسلام کے قانونِ عدل و شہادت کے تقاضوں کی تکمیل یقینی بنائیں' وہ ترمیمات کرانے میں ان کی مدد کریں جو قانون کو بے اثر بنائے بغیر کی جا سکتی ہیں' اور ان کے ساتھ انھی خطوط پر معاملہ کریں جو حضور ؐ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ اختیار کیے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس طرح دونوں کے تعلقات بھی خوش گوار ہو جائیں گے' ان کے مسائل کا حل بھی خوش اسلوبی سے نکل آئے گا۔

شاید انھیں اسلام کے قانونِ عدل کے ان تقاضوں کا علم نہیں' جن کا نفاذ ان کے خدشات کے ازالہ کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

۱- حد کی سزا صرف حکومت دے سکتی ہے' کسی مسلمان کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا اختیار نہیں - جب منظور مسیح کو قتل کیا گیا تو ہم نے آگے بڑھ کر ترجمان کے صفحات میں اس کی مذمت کی۔

۲- عدالت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ گواہوں کی مناسب جانچ پڑتال کرے - اس لیے کہ "حد کی سزا میں شہادت کا معیار عام شہادت کے معیار سے بہت زیادہ سخت اور غیر معمولی ہے -- ایسے گواہوں کی شہادت قبول ہوتی ہے جو گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتے ہوں' صادق القول اور عادل ہوں اور مزید برآں تزکیہ الشہود کے معیار پر بھی پورا اترتے ہوں" (محمد اسماعیل قریشی' ص ۴۶۶)

۳- جرم ثابت ہونے میں ایک شبہ بھی رہ جائے تو "شک کا فائدہ بھی اسلامی قانون کی رو سے ملزم کو پہنچتا ہے -- حدیث مبارک ہے ادرو الحدود بالشبہات' حدود کی سزاؤں کو شبہات کی بنا پر ختم کر دو" (ایضاً ص ۴۶۷)۔

۴- عدالت ملزم کی نیت کا تعین بھی کرے گی' کیونکہ "نیت کے بغیر اسلامی قانون میں کوئی جرم مستوجب سزا نہیں ہوتا" (ایضاً ص ۴۶۷)۔

۵- حضورؐ کا یہ فرمان بھی اسلامی قانون کا ایک بنیادی اصول ہے کہ "ایک مجرم کو بری کر دینے کی غلطی ایک بے گناہ کو سزا دینے کی غلطی سے بہتر ہے" (سنن البیہقی' ج ۸' ص ۱۸۴)۔

بجائے اس کے کہ ہمارے مسیحی بھائی پاکستان کی سیکولر حکومت کے وعدوں پر جنہیں' یا ہر کی مسیحی طاقتوں سے آس لگائیں - کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ مسلمان' عیسائی' ہندو مل کر ایک متفقہ ترمیمی بل حکومت اور اسمبلی کے سامنے پیش کر دیں' جو اسلامی قانون کے مطابق بھی ہو اور اقلیتوں کے لیے انصاف اور تحفظ کا ضامن بھی - ہماری رائے میں علما اور دینی جماعتوں کو اس مقصد کے لیے عیسائی رہنماؤں سے ڈائیلاگ شروع کرنا چاہیے۔

حالیہ قضیہ نے جو آئینہ ہمیں دیا ہے' اس میں مسلم ملت کی قوت کا اصل سرچشمہ بھی عیاں ہو رہا ہے - یہ سرچشمہ وہی ہے جس کے پیچھے ہمارے دشمن ۱۴۰۰ سال سے آج تک لگے ہوئے ہیں - ہماری قوت و توانائی کا سامان وہ ڈالر' وہ اسلحہ' وہ قرض اور امداد' وہ نسخے کیسے کر سکتے ہیں' جو ہمارے دشمن خود ہمیں فراہم کر رہے ہیں -- یہ سرچشمہ تو روز اول سے دلِ مسلم میں مقامِ مصطفیٰؐ ہے' عشقِ مصطفیٰؐ ہے' اور ملت کی پوری زندگی میں اتباع اور اطاعتِ مصطفیٰؐ ہے - ہمیں اسی چشمہ سے سیراب ہونے میں لگ جانا چاہیے۔

آج تاریخ کا اسٹیج اسلام اور مغرب کے درمیان معرکہ کے لیے تیار ہو رہا ہے - بظاہر ہمارا اور

مغرب کا کیا مقابلہ۔ نہ ہمارے پاس اسلحہ' نہ ٹیکنالوجی' نہ معاشی ترقی' نہ اتحاد' نہ لیڈر شپ' نہ منزل' نہ مقصد۔ لیکن ان میں سے ہر چیز ہمیں حاصل ہو جائے گی اگر ہم قوت اور توانائی کے اس سرچشمہ تک پہنچ جائیں۔

کیمیا پیدا کن از مشت گلے بوسہ زن بر آستان کاملے
دل ز عشق او توانا می شود خاک ہم دوش ثریا می شود

انسان کامل کے آستانے پر سر رکھ کے بوسہ دینے ہی سے ہماری مشت خاک سونے کا ہمالہ بنے گی' آپ کے عشق سے ہی ہمارے دل توانا ہوں گے' ہماری ترقی آسمان سے باتیں کرنے لگے گی۔

اس سے زیادہ فریب انگیز مغالطہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ "ترقی پسند" بننا ہے یا "بنیاد پرست"۔ ہمیں نہیں معلوم بنیاد پرست کے کیا معنی ہیں۔ لیکن ہماری بنیاد تو حضورؐ کی ذات' آپؐ کی لائی ہوئی کتاب' آپؐ کی سنت اور آپؐ کا اسوہ ہے۔ ہم' جو اس بنیاد کے ناتے "بنیاد پرست" ہیں' سب سے بڑھ کر ترقی پسند ہیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ امریکہ کی انگلی پکڑ کر چلے تو ترقی نہیں موت اور ذلت کا گڑھا ہمارا مقدر ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر چلنے والے "ترقی یافتہ" مسلمان ممالک کے ڈھانچے ہمارے سامنے بہت موجود ہیں۔

گشودم پردہ را از روئے تقدیر مشو نا امید و راہ مصطفیٰ گیر
مقام خویش اگر خواہی دریں دیر بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

کاش ہم تقدیر کے اس راز کو پا لیتے' مستقبل بنانے کی وہ راہ پکڑ لیتے جو ترقی اور عروج کی ضامن ہے' اور دنیا میں اپنا وہ مقام بنا لیتے جو ہمارا مقدر ہے۔ وہ راہ' راہ مصطفیٰؐ کے سوا اور کوئی نہیں۔

دامنش از دست دادن موت است۔ حضورؐ کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا پروانہ موت ہے۔ آج کل مسلمان ہر جگہ' خصوصاً وطن عزیز پاکستان میں' زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں' علاج کیا ہے' حل کیا ہے؟ علاج اور حل تو ایک ہی ہے۔ پہلے بھی' قوم زندگی از دمِ او یافت' حضورؐ کے دم سے ہی زندگی ملی تھی' اور آج بھی سب کچھ آپؐ کا دامن پکڑ کے' آپؐ کا مشن پورا کرنے' اور آپؐ کے پیچھے چلنے ہی سے ملے گا۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بسوں میں فحش گانے
ہم سب کے لئے سوہان روح ہوتے ہیں!

کیا کریں؟

احتجاجی مراسلے ------ضرور!

حکومت سے اپیلیں------ضرور!

طاقت منظم کرکے رکوادیں------ ضرور!

لیکن-----

یہ بھی ضروری ہے کہ آپ متبادل فراہم کریں۔

آپ کے بیگ / پرس میں ہروقت

ایسے کیسٹ ہوں جو آپ ڈرائیور کو دیں کہ لو' یہ بجاؤ۔

خریدنا چاہتے ہو ں تو فروخت کر دیں

ہدیہ کر سکتے ہو ں تو ہدیہ کر دیں

تحریکی اداروں سے ایسے مناسب کیسٹ حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

(بندہ خدا)

نفاذِ شریعت کی حکمتِ عملی

اللہ اور اس کے رسول ؐ نے ہم کو محض احکام ہی نہیں دیے ہیں بلکہ ان کے ساتھ کوئی حکمت بھی سکھائی ہے جس سے کام لے کر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ایک مدت دراز تک کفر و فسق کی فرمانروائی کے تحت رہنے کے بعد ہمارے ملک میں جو حالات پیدا ہو چکے ہیں ان میں اقامت دین کا کام اب کس طرح ہونا چاہیے۔ جہاں تک میں نے شریعت کو سمجھا ہے اس کے نظام میں اصلاح 'سد باب ذرائع اور تعزیر کے درمیان ایک مکمل توازن قائم کیا گیا ہے۔ ایک طرف وہ ہر پہلو سے تزکیۂ اخلاق اور تطہیر نفوس کی تدابیر ہمیں بتاتی ہے' دوسری طرف وہ ایسی ہدایات ہمیں دیتی ہے جن پر عمل درآمد کر کے ہم بگاڑ کے اسباب کی روک تھام کر سکتے ہیں' اور تیسری طرف وہ تعزیرات کا ایک قانون ہمیں دیتی ہے تاکہ تمام اصلاحی و انسدادی تدابیر کے باوجود اگر کہیں بگاڑ رونما ہو جائے تو سختی کے ساتھ اس کا سدارک کر دیا جائے۔ شریعت کا منشا اس پوری اسکیم کو متوازن طریقے سے نافذ کر کے ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کے کسی جز کو ساقط اور کسی کو نافذ کرنا حکمتِ دین کے بالکل خلاف ہے۔ اس کے جواز میں یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ جس جز کو ہم نافذ کر رہے ہیں اس کے نفاذ کا حکم قرآن میں موجود ہے۔ اس استدلال کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک حکیم کا مرتب کردہ نسخہ کسی اناڑی کے ہاتھ آ جائے اور وہ اس کے بہت سے اجزا میں سے صرف دو چار اجزا نکال کر کسی مریض کو استعمال کرائے اور اعتراض کرنے والے کا منہ بند کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کرے کہ جو اجزا میں استعمال کرا رہا ہوں وہ سب حکیم کے نسخے میں درج ہیں۔ اس کی اس دلیل کا جواب آخر آپ یہی تو دیں گے کہ بندۂ خدا حکیم کے نسخے میں جو مصلحات اور بدرقے درج تھے ان سب کو چھوڑ کر تو صرف سمیات مریض کو استعمال کرا رہا ہے اور نام حکیم کا لیتا ہے کہ میں اس کے نسخے سے علاج کر رہا ہوں۔ حکیم نے تجھ سے یہ کب کہا تھا کہ تو میرے نسخے میں سے جس جز کو چاہے چھانٹ کر نکال لے اور جس مریض کو چاہے کھلا دے۔

اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شریعت آیا اپنے نفاذ کے لیے مومن و متقی کارکن

چاہتی ہے یا فاسق و فاجر لوگ اور وہ جو لوگ جو اپنے ذہن میں اس کے احکام کی صحت کے معتقد تک نہیں ہیں؟ اس معاملے میں بھی محض جواز اور عدم جواز کی قانونی بحث مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ مجرد قانونی لحاظ سے ایک کام جائز بھی ہو تو یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ حکمتِ دین کے لحاظ سے وہ درست بھی ہے یا نہیں۔ کیا حکمتِ دین کا یہ تقاضا ہے کہ احکام شرعیہ کا اجرا ایسے حکام کے ذریعہ سے کرایا جائے جن کی اکثریت رشوت خور' بدکردار اور خدا و آخرت سے بے خوف ہے اور جن میں ایک بڑی تعداد عقیدۃً مغربی قوانین کو برحق اور اسلامی قوانین کو غلط اور فرسودہ سمجھتی ہے؟ میرے نزدیک تو اسلام کو دنیا بھر میں بدنام کر دینے اور خود مسلم عوام کو بھی اسلام سے مایوس کر دینے کے لیے اس سے زیادہ کارگر نسخہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں کے ہاتھوں احکامِ شریعت جاری کرائے جائیں۔ اگر چند بندگانِ خدا پر بھی جھوٹے مقدمے بنا کر سرقے اور زنا کی حد جاری کر دی گئی تو آپ دیکھیں گے کہ اس ملک میں حدودِ شرعیہ کا نام لینا مشکل ہو جائے گا اور دنیا میں یہ چیز اسلام کی ناکامی کا اشتہار بن جائے گی۔ اس لیے اگر ہم دین کی کچھ خدمت کرنا چاہتے ہیں' اس سے دشمنی نہیں کرنا چاہتے تو ہمیں پہلے اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ ملک کا انتظام ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے جو دین کی سمجھ بھی رکھتے ہوں اور اخلاص کے ساتھ اس کو نافذ کرنے کے خواہشمند بھی ہوں۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہو گا کہ اسلام کی پوری اصلاحی اسکیم کو ہر جہت سے ہمہ گیر طریقے پر نافذ کیا جائے اور اسی سلسلے میں حدود شرعیہ کا اجرا بھی ہو۔ یہ کام بڑا صبر اور بڑی حکمت چاہتا ہے۔ یہ ہتھیلی پر سرسوں جمانا نہیں ہے کہ آج مجلس قانون ساز میں ایک دو نشستیں ہاتھ آگئیں اور کل حدود شرعیہ جاری کرنے کے لیے ایک مسودہ قانون پیش کر دیا گیا۔ (رسائل و مسائل' حصہ چہارم' ص ۲۷۳-۲۷۵)

کلامِ نبویؐ کی صحبت میں

خرم مراد

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مومن کا معاملہ بھی کیا عجیب ہے! اسے جو کچھ بھی پیش آئے' وہ اس کے لیے سراسر خیر ہوتا ہے۔ اور یہ دولت مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں --جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ (اللہ کا) شکر کرتا ہے' اور (اس طرح) نعمت اس کے لیے واقعی خیر بن جاتی ہے۔ اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ (اللہ کے لیے) صبر کرتا ہے' اور (اس طرح) مصیبت بھی اس کے لیے سراسر خیر بن جاتی ہے (مسلم ، بحوالہ ریاض الصالحین ، باب الصبر)۔

زندگی کا ہر معاملہ' ہر لحہ' دو میں سے ایک حالت سے خالی نہیں: نعمت' آرام' خوشی' نفع' یا مصیبت' تکلیف' رنج' نقصان---خواہ ہمیں بعض اوقات نعمت اور نفع نقصان کا شعور نہ ہو۔

نعمت کا احساس ہو تو ہم خوش ہوتے ہیں' اسے خیر سمجھتے ہیں۔ لیکن وقت گزرتا ہے تو خوشی بھی گزر جاتی ہے' اور آخری سانس کے ساتھ تو ہر راحت' ہر نفع اور ہر خوشی بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ تو یہ خیر کیسا خیر؟

لیکن اپنی بساط بھر اللہ کا شکر کرنے' اور اس شکر کا حق ادا کرنے سے یہ ختم ہونے والی' بے حقیقت نعمت اور خوشی ہمیشگی اور بیش بہا نعمت اور خوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے: واقعی خیر بن جاتی ہے۔

بعض نعمتوں کے نعمت ہونے کا تو شعور بھی ہوتا ہے' اور ان پر خوشی بھی۔ لیکن بہت بڑی بڑی' ناقابلِ تصور نعمتیں ہر لحہ ہمارے اوپر برستی رہتی ہیں: ہر سانس' دل کی ہر دھڑکن' کھانے کا ہر لقمہ' پانی کا ہر گھونٹ' بیماری سے ہر شفا' جسم کے ہر حصے کا' یہاں تک کہ ہر خلیہ کا تحفظ' ہر لحہ' ہر آفت سے تحفظ۔ یہ سب شکر کر کے لازوال نعمتیں کمانے کے مواقع ہیں۔ ہم ان کو اکثر ضائع کرتے رہتے ہیں۔

مصیبت پڑے' تکلیف ہو' تو ہمیں لازماً احساس ہوتا ہے' ہم واویلا کرتے ہیں۔ مگر کتنی ہی بڑی مصیبت ہو' اسے بھی گزر جانا ہے۔ لیکن اپنی بساط بھر صبر کرنے سے مصیبت اور تکلیف بھی ہمیشگی اور بیش بہا نعمت اور خوشی بن جاتی ہے۔ اس طرح 'مصیبت کیوں' درد و الم کیوں؟ ہر ذہن کا' ہر فلسفہ کا "پیچیدہ اور لاینحل سوال"' کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ مصیبت اور نعمت برابر ہیں' دونوں ابدی انعام و راحت کمانے کا ذریعہ۔

فانی نعمت پر اگر آدمی اترانے لگے ' اپنے زور بازو کا نتیجہ سمجھے ' تو وہ ایک مصیبت ہے ' اور اس کا انجام ہمیشہ کا درد و الم ۔ فانی مصیبت پر اگر آدمی صبر کرے ' اللہ کی طرف سے جنت کمانے کا ذریعہ سمجھے ' تو وہ ایک نعمت ہے ' اور اس کا انجام ہمیشہ کی خوشی و راحت ۔

O

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے ایک بالشت بھر زمین کے برابر ظلم کیا (اسے غصب کیا) ' اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا (جنھیں وہ اٹھائے اٹھائے پھرے گا) (بخاری، مسلم، بحوالہ ریاض الصالحین باب تحریم الظلم)

حضرت ابوامامہ ایاس بن ثعلبہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے کسی مسلمان کا کوئی حق مارا ' اللہ نے اس پر آگ واجب کر دی اور جنت حرام کر دی ۔ ایک آدمی نے پوچھا: اگرچہ کوئی بالکل معمولی چیز ہو؟ آپ ؐ نے فرمایا: ہاں ' اگرچہ ایک پیلو کی لکڑی ہو (مسلم ' بحوالہ ایضاً)

معاملات اور انسانی حقوق کی سنگینی کا اس سے بڑھ کر کیا بیان ہو سکتا ہے ۔ بالشت بھر زمین کے بارے میں ظلم ' اور سات زمینوں کا بوجھ! ایک پیلو کی لکڑی کا حق اور آگ واجب ' جنت حرام!

ذرہ برابر بھی ضمیر میں ایمان بالغیب کی روشنی ہو ' تو ایک بندہ مومن کسی کا حق مارنے کی جرات کیسے کر سکتا ہے؟

کتنے دین کا نام لینے والے ' خوبصورت تحریروں اور تقریروں والے ' اقامت دین کا نام جپنے والے ' دین کے اس اہم ترین پہلو سے غافل ہیں ' اور خود اپنی زندگی میں دین قائم کرنے سے قاصر ۔ ان کے ہاتھوں اللہ کا دین کیسے قائم ہو ' بندوں کا حق مارنے والوں کو اللہ اپنے نام پر اپنے بندوں کا حکمران کیوں بنائے!

O

حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے اپنے بھائی پر کوئی ظلم کیا ہو --- عزت کے معاملہ میں یا کسی بھی چیز کے بارے میں --- وہ آج کے دن ہی اس سے معاف کرا لے ' اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ دینار ہوں نہ درہم: (کیونکہ اس دن) جتنا ظلم اس نے کیا اتنی اس کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی ' اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں اس پر لاد دی جائیں گی (بخاری، بحوالہ ایضاً) ۔

حق مارنے ' عزت پر دست درازی یا زبان درازی ' جیسے گناہوں کے وبال سے چھٹکارا ' قصاص یا معافی

کے علاوہ کچھ نہیں۔

معاف کرانے کا وقت آج ہی ہے 'کل (موت کے بعد) نہ دیت دینے کے لیے مال ہو گا' نہ معافی مانگنے کا موقع' (الا یہ کہ اللہ اپنی رحمت ہی سے کوئی سبیل پیدا کرنے)۔

کل اگر معاوضہ دینا ہوا' تو قیامت کے دن صرف اعمال کی دولت دی جائے گی۔ اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیوں سے ہاتھ دھوکے' یا مظلوم کی برائیوں کا بوجھ اپنے اوپر لاد کے۔

O

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا' وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا' جب کہ جنت کی خوشبو ۴۰ برس کے فاصلے سے پائی جا سکتی ہے (بخاری' بحوالہ مشکوٰۃ' باب کتاب القصاص)۔

ایک روایت میں ہے ۷۰ برس (نسائی)' ایک اور روایت میں ہے ۱۰۰ برس (ابن حبان)' اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا (ابو داؤد)۔

معاہد وہ غیر مسلم ہے جو تحفظ' امن' یا شہریت کے معاہدہ کی بنا پر مسلمان ملک میں رہ رہا ہو۔
مسلمان معاشرہ میں رہنے والے عیسائی' یہودی' ہندو' دیگر کافرین کی جانیں بھی اسی طرح محترم و محرم ہیں جس طرح مسلمانوں کی جانیں۔

قانونی حق ثابت ہوئے بغیر' جو مسلمان ان میں سے کسی کا خون بہائے گا' وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

O

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

بہت کم ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو ایسی بات پر جو آپ کو ناپسند ہوتی' منہ در منہ ٹوکتے۔

ایک دفعہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں آیا' اس (کے لباس) پر زردی کا نشان تھا۔ جب وہ مجلس سے اٹھ گیا' تو آپؐ نے فرمایا: اگر یہ اس زردی کو بدل ڈالتا' یا صاف کر دیتا (تو بہتر ہوتا) (الادب المفرد' بحوالہ عبدالغفار حسن' انتخاب حدیث' ص ۸۳)

منہ در منہ ٹوکنا منع نہیں' لیکن یہ حضورؐ کے اخلاق کریمانہ' آپؐ کی حیا و مروت اور کمال شفقت و رحمت کا مظہر ہے کہ آپؐ ایسا کرنا پسند نہ کرتے۔

اصلاح و تربیت میں انسانی نفسیات کا لحاظ حکمت کا ضروری تقاضا ہے۔ دوسروں کے سامنے ٹوکے جانے

سے انسان کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے' اور اس میں فوراً مخالفانہ ردعمل پیدا ہوتا ہے۔ وہ تاویل اور دفاع پر اتر آتا ہے۔ اس لیے تنہائی میں' یا کسی کے ذریعہ' تنقید کے موثر ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔

اسی لحاظ سے' حضورؐ کا ایک حکیمانہ طریقہ یہ بھی تھا کہ آپؐ نام لے کر تنقید و احتساب کرنے کے بجائے عام انداز میں نصیحت فرماتے کہ "لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ---"۔

○

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(دین کی باتیں) سکھاؤ' مگر آسانی پیدا کرو' سکھاؤ مگر آسانی پیدا کرو' (سکھاؤ مگر آسانی پیدا کرو)' تین بار ارشاد فرمایا۔ اور جب غصہ کا غلبہ ہو تو خاموشی اختیار کرو' یہ دو بار ارشاد فرمایا (الادب المفرد' بحوالہ ایضاً' ص ۸۲)۔

حضورؐ نے آسانی پیدا کرنے کی شدید تاکید فرمائی ہے۔ دین آسان ہے۔ دین کی تعلیمات کو سیکھنے والوں کے مزاج' استعداد' پسند اور ناپسند کے لحاظ سے آسان' اور غلو' باریک بینی اور سختی و تشدد سے پاک ہونا چاہیے۔ تعلیم کا طریقہ بھی سہولت اور نرمی پر مبنی ہونا چاہیے۔

غصہ اپنی ذات کی خاطر بھی آسکتا ہے' سیکھنے والے کی کم فہمی' غلطی' غلطی پر اصرار' ضد اور ہٹ دھرمی' بے ادبی اور بدتمیزی کی وجہ سے بھی۔ غصہ کے غلبہ کے بعد اس کا امکان ختم ہو جاتا ہے کہ تعلیم اور نصیحت اثر کرے گی۔ انداز' لہجہ' آواز' الفاظ' سب میں شدت ہو گی۔ دل سوزی اور خالص خیرخواہی بھی ختم ہو جائے گی۔ سیکھنے والے میں بھی ردعمل پیدا ہو گا۔

اس لیے غصہ آجائے تو جس کے پیش نظر اصلاح ہو' اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے ---وہ ہے خاموشی۔ خواہ اصلاح کرنے والے والدین ہوں یا اساتذہ' داعی' واعظ ہوں۔ خاموشی نہ اختیار کی تو قوی امکان ہے کہ ناصح و معلم اپنے اعمال بد میں اضافہ ہی کر لے گا۔

زیارتِ نبوی ﷺ

ڈاکٹر میر ولی الدین

زیارتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مستحبات میں سے ہے جن کی بے حد تاکید کی گئی ہے قریب لانے والے اعمال میں افضل ہے اور صاحب قدرت کے لیے قریب واجب کے ہے!

خوش آنکہ بندم در رہت برناقہ محمل از وطن!
خیزم چو گرد، افتم چو اشک، آیم بسر، غلطم بہ تن
(اوحدی)

کس قدر خوشی [کا موقع] ہے کہ میں نے اپنے وطن سے آپ ﷺ کی طرف جانے والے راستے پر اونٹنی پر کجاوہ ڈال لیا ہے (اور سفر شروع کر دیا ہے)۔میں (اس سفر میں وفور شوق سے) گرد راہ کی طرح اٹھتا ہوں، آنسوؤں کی مانند گرتا ہوں، یوں بے قراری کے عالم میں تڑپتے ہوئے اپنا سفر مکمل کرتا ہوں۔

مدینہ رسول ﷺ کی راہ میں درود کے شغل سے بہتر کوئی شغل نہیں۔

"اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" (الاحزاب ۳۳-۵۶)

من صل علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا (مسلم)۔

اس راستہ کو درود و سلام کے ورد ہی میں طے کرنا چاہیے "حُبِّ نبوی" کا تقاضا یہی ہے۔

من مذھبی حب النبی وصحبہ   وللناس فیما یعشقون مذاھب

نبی ﷺ اور اس کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت میرا مذہب ہے، اور لوگوں کے لیے عشق جتلانے کے اپنے اپنے طریقے ہیں۔

جب مدینہ منورہ کی دیواروں پر نظر پڑتی ہے تو عاشق کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ یہ وہ مبارک شہر ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لیے پسند فرمایا ہے، اور اس کو ان کا دار الہجرۃ بنایا ہے۔

یہ وہ مقام مقدس ہے جہاں آپ ؐ نے حق تعالیٰ کے فرائض و سنن مشروع فرمائے' اعدائے دین سے جہاد کیا اور حق تعالیٰ کے دین کو ظاہر کیا۔ اسی پاک زمین میں آپ نے اپنی زندگی بسر فرمائی' یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اپنے جوار رحمت میں بلالیا' اور آپ ؐ کی قبر مطہر اس میں مقرر فرمائی' اور آپ کے دو وزیر' جو آپ ؐ کے احکام کی بجا آوری میں کامل تھے' آپ ؐ ہی کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ فرط مسرت سے چیخ اٹھتا ہے ؎ من و یثرب کہ بہ از نور بود خاک انجا! میرا یثرب میں ہونا کتنی خوش بختی کی بات ہے کہ یہاں (یثرب) کی خاک بھی نور سے زیادہ روشن ہے۔

بحر رحمت شود آں قطرہ کہ از وے ریزد چوں کند تاب سفر جبہ عرقناک انجا

(مولوی احسان اللہ ممتاز)

یہ ایسی سرزمین (یثرب) ہے کہ اس کے سفر کرنے والے کا عرق ندامت بھی بحر رحمت بن جاتا ہے۔

جب عاشق رسول مدینہ منورہ کی پاک زمین پر قدم رکھتا ہے' تو اس کی زبان سے بے اختیار نکلتا ہے۔

اندر دوجہاں کعبۂ ماکوئے محمدؐ محراب دل و جاں خم ابروئے محمدؐ

دونوں جہانوں میں کوئے محمدؐ ہمارا کعبہ ہے اور محمدؐ کی ابرو کا خم ہمارے دل و جاں کی محراب ہے۔

وہ دیوانہ وار حق تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے

اللہ! ایسے جذب محبت کو کیا کروں رگ رگ کو جس نے درد بھرا دل بنا دیا

ہر قدم پر وہ یہ سوچتا ہے کہ اس مقام پر آقائے نامدارؐ کے قدم پڑے ہوں گے' قدم اٹھاتا ہے' پھر ٹھہر جاتا ہے' بڑھتا ہے' پھر تھم جاتا ہے۔

ترے کوچے میں ہم کل اس طرح سے جابجا ٹھہرے
چلے' چل کر تھمے' تھم کر بڑھے' بڑھ کر ذرا ٹھہرے

اس گلی کے ہر ذرہ کو وہ اپنا دل سمجھتا ہے

ہم اس کوچے کے ہر ذرے کو اپنا دل سمجھتے ہیں

تجلیات محبت اس کو آگے قدم بڑھانے نہیں دیتیں۔

پایم بہ پیش از سر ایں کو نمی رود
یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست
(نظیری)

میرے پاؤں اس کوچہ سے آگے نہیں بڑھتے۔صاحبو! ذرا بتاؤ کہ یہ کس کی جلوہ گاہ ہے۔
اسی محبت کی تجلی میں وہ دیکھتا ہے کہ

کوچہ جاناں کا ہر ذرہ چراغ طور ہے

اپنے محبوب کا وہ خیال کرتا ہے 'حق تعالیٰ نے اپنی معرفت کس درجہ آپ ؐ کو عطا فرمائی تھی! آپ کے ذکر کو کس درجہ بلند فرمایا تھا کہ اپنے ذکر کے ساتھ اس کو ملا دیا تھا' وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی نوید سے آپ ؐ کو سرفراز فرمایا تھا! آپ ؐ کی تعظیم کے ترک کرنے پر کیسی وعید فرمائی تھی ؟ جو آپ کی آواز پر اپنی آواز ہی کے بلند کرنے سے وہ ترکِ تعظیم کیوں نہ ہو' حبطِ اعمال اس کی سزا تھی!

وہ خیال کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان نیک بختوں پر کتنا بڑا احسان فرمایا جنھوں نے آپ کی صحبت پائی' اور مشاہدۂ جمال' سماعتِ اقوال و ملاحظۂ احوال سے سعادت حاصل کی' اور اپنے حال پر آنسو بہاتا ہے کہ یہ دولت سرمدی مجھے نصیب نہ ہوئی اور نہ آپ ؐ کے اصحاب کرام ؓ کی صحبت ملی۔ دنیا میں تو آپ ؐ کو نہ دیکھا' آخرت میں بھی شاید آپ ؐ کی زیارت نگاہِ حسرت ہی سے ہو اور اعمالِ بد کے باعث آپ ہمیں قبول نہ فرمائیں' کیونکہ آپ ؐ کا ارشاد مبارک ہے: "قیامت کے روز کچھ لوگوں کو فرشتے دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ (ان میں اپنی امت کی بعض نشانیاں دیکھ کر) میں حق تعالیٰ سے عرض کروں گا' حق تعالیٰ یہ میرے لوگ ہیں۔ ارشاد ہو گا کہ نہیں' تمھیں نہیں معلوم کہ تمھارے بعد انھوں نے کیا کام کیے ہیں۔ تب میں کہوں گا کہ مجھ سے دُور ہو' مجھ سے دُور ہو" (بخاری' مسلم)۔

یہ حال ان لوگوں کا ہو گا جنھوں نے شریعتِ مطہرہ کی توقیر نہیں کی' سنتِ رسول ؐ کی قدر نہ سمجھی اور بدعت کو ترجیح دی! اب وہ اپنی حالت پر نظر ڈالتا ہے' اس وعید سے کانپ اٹھتا ہے' اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے' چیختا ہے۔

ہرچند گناہ بے شمار ست صد مرتبہ بے شمار توبہ!
ہرچند کہ میرے گناہ بے شمار ہیں۔ میں سو بار بلکہ بے شمار مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

شد ہر سرمو کنوں زبانے آرم بتو بار بار توبہ!
اب میرا ہر بال زبان بن گیا ہے اور میں تیرے حضور بار بار توبہ پیش کرتا ہوں۔

پھر عرقِ خجالت میں غرق ہو کر حق تعالیٰ سے التماس کرتا ہے:۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
یا اگر بینی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر!
(اقبال)

خدایا' تو دونوں جہانوں سے بے نیاز ہے اور میں ایک عاجز فقیر ہوں' روز محشر میرے عذر قبول فرما' [میری درخواست ہے کہ میرا احساب کتاب نہ ہو تاہم] اگر میرا احساب ہونا ہی ضروری ہو تو (پھر میری یہ درخواست ہے کہ) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔

پھر امید و رجا کی موج اس کے سینہ میں اٹھتی ہے۔ وہ اس امر کا احساس کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے اس کو سرفراز فرمایا' اپنے محبوب ؐ کی زیارت کے لیے وطن سے نکال کر اس مقدس مقام پر پہنچایا' حظ دنیا یا تجارت اس سفر سے اس کو مقصود نہ تھا' فقط آپ ؐ کی بے پایاں محبت اور آپ کے آثار کے دیکھنے کے شوق ہی نے اس کو وطنِ مالوف سے نکالا' زندگی میں جب آپ ؐ کا دیدار نصیب نہ ہوا تو اس نے اس پر ہی قناعت کی کہ آپ ؐ کی مسجد مبارک میں حاضر ہو کر آپ ؐ کی قبر اطہر کی دیوار پر ہی نظر ڈالے۔

غربتے گر روی بشہر و دیار روی در مسجد مصفاکن
دوست را گر نمی توانی دید خانہ دوست را تماشا کن

اگر کسی ملک اور شہر کے سفر کا قصد ہے تو مسجد مصفا کی جانب رخ کر۔ اگر تو دوست کو نہیں دیکھ سکا تو دوست کے گھر ہی کا نظارہ کر لے۔

جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ سامان مہیا کر دیے' تو اب اس کی رحمت سے یہی توقع ہے کہ وہ اس کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھیں گے اور اس کے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

مسجد نبوی ؐ میں قدم رکھتا ہے تو یہ سوچتا ہے کہ یہ وہ مقدس جگہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم اور مسلمانوں میں سے اول اور افضل لوگوں کے لیے تجویز فرمایا اور جو حق تعالیٰ کی نظر میں "محبوب و مطلوب و پسند" رہے ہیں۔

جانتا ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سب سے پہلے حق تعالیٰ کے فرائض ادا ہوئے' اور کامل عبودیت کے ساتھ ادا ہوئے۔ یہی وہ زمین ہے جس میں تمام مخلوق سے افضل و برتر لوگ حالتِ حیات و حالتِ ممات میں جمع ہیں۔ اب وہ توقع کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اس پر بھی رحم فرمائیں گے' اور دل ہی دل میں عرض کرتا ہے۔

بضاعت نیاوردم الا امید خدایا ز عفوم مکن نا امید
(سعدی)

[بخشش کی] امید کے سوا میں اور کوئی جمع پونجی نہیں لایا' خدایا مجھے عفو و کرم سے ناامید نہ کر۔

پھر مسجد مبارک میں خشوع و تعظیم سے داخل ہوتا ہے' زبان پر یہ دعا ہوتی ہے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ رَسُوْلِكَ فَاجْعَلْهُ لِيْ وِقَايَةً مِّنَ النَّارِ وَ اَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَ ارْزُقْنِيْ فِيْ زِيَارَةِ نَبِيِّكَ مَا رَزَقْتَهُ اَوْلِيَائَكَ وَ اَهْلَ طَاعَتِكَ وَ اغْفِرْلِيْ وَ ارْحَمْنِيْ يَا خَيْرَ مَسْئُوْلٍ۔

اے اللہ' تیرے رسول ؐ کا حرم ہے' تو اسے میرے لیے جہنم کی آگ سے اور سخت باز پرس سے اور دردناک عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنا دے۔ اے اللہ' تو مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے' اور اپنے نبی ؐ کی ایسی زیارت عطا فرما جیسی تو نے اپنے اولیا اور اطاعت شعار بندوں کو نصیب فرمائی۔ میرے گناہ بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما۔ اے سب سے اچھے سوال کیے جانے والے!

پھر نیت اعتکاف الی الخروج کر کے روضہ جنت کی طرف بڑھتا ہے' اور محرابِ نبوی ؐ کے پاس' ممکن ہو تو مصلی نبوی ؐ یا اس سے متصل یا منبر کے پاس' اور نہ ہو سکے تو کسی ایک مقام پر تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کرتا ہے' پھر اس نعمتِ عظمٰی کے حصول پر حق تعالٰی کا شکر ادا کرتا ہے' اور رضا' توفیق خیر' قبولِ اعمال و بلوغِ مقاصد کی دعا کرتا ہے! دعا کے الفاظ یہ ہوتے ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذِهٖ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ شَرَّفْتَهَا وَكَرَّمْتَهَا وَمَجَّدْتَهَا وَعَظَّمْتَهَا وَنَوَّرْتَهَا بِنُوْرِ نَبِيِّكَ وَحَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! اَللّٰهُمَّ كَمَا بَلَّغْتَنَا فِي الدُّنْيَا زِيَارَتَهٗ وَمَآثِرَهُ الشَّرِيْفَةَ فَلَا تَحْرِمْنَا يَا اللّٰهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ فَضْلِ شَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ احْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ وَتَحْتَ لِوَائِهٖ وَ اَمِتْنَا عَلٰى مَحَبَّتِهٖ وَمِلَّتِهٖ وَ اسْقِنَا مِنْ حَوْضِهِ الْمَوْرُوْدِ بِيَدِهِ الشَّرِيْفَةِ شَرْبَةً هَنِيْئَةً لَا نَظْمَأُ بَعْدَهَا اَبَدًا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ

اے اللہ' یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ آپ نے اس کو شرف بخشا ہے' عزت دی ہے' عظمت و بزرگی دی ہے اور اس کو اپنے حبیب و نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور کیا ہے۔ اے اللہ جس طرح تو نے ہمیں اس دنیا میں اس کی زیارت اور اس کے باعزت آثار تک پہنچایا ہے تو اے اللہ آخرت میں بھی ہمیں محمد ؐ کی شفاعت کی فضیلت سے محروم نہ کرنا اور ہمارا حشر ان کے گروہ اور ان کے جھنڈے کے نیچے کرنا اور ہمیں ان کی محبت اور ان کی ملت پر موت دینا' اور ہمیں ان کے حوض سے کہ جس پر لوگ آئیں گے آپ کے ہاتھ سے سیراب

کرتا۔ ایسی سیرابی جو مبارک ہو اور جس کے بعد ہم کبھی پیاسے نہ ہوں۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

پھر زیارت کی نیت سے نہایت ادب و خشوع کے ساتھ روضہ پاک کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے آنے کھڑے ہونے اور زیارت کرنے کا علم ہوتا ہے، اور اس کا درود و سلام آپ کی خدمت مبارک میں پہنچتا ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ: "من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا" (مسلم)۔

یہ جزا تو صرف زبان سے درود پڑھنے کی ہے، جب وہ خود زیارت کے لیے تمام بدن سے حاضر ہوا ہے تو اس کا بدلہ کس قدر عظیم الشان ہو گا!

اب وہ اپنے آقائے نامدار کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے:

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ السَّيِّدُ الْكَرِيْمُ وَالرَّسُوْلُ الْعَظِيْمُ وَالْحَبِيْبُ الرَّؤُفُ الرَّحِيْمُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ! اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ هَاشِمٍ يَا طٰهٰ يَا يٰسِيْنُ يَا بَشِيْرُ يَا سِرَاجُ يَا مُبِيْنُ يَا مُقَدَّمَ جَيْشِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ.

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِي التُّرَابِ أَعْظُمُهُ   فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ   فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ
أَنْتَ الْحَبِيبُ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ   عِنْدَ الصِّرَاطِ إِذَا مَا زَلَّتِ الْقَدَمُ

درود و سلام ہو آپ پر، اے ہمارے سردار محمد ؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم، اے طٰہٰ، اے یٰسین، اے بشارت دینے والے، اے چراغ، اے روشن کرنے والے، اے انبیاء و مرسلین کے لشکر کے سردار، خاک میں جو ہڈیاں دفن کی گئیں تو ان میں بہترین ہے۔ ان کی خوشبو سے پہاڑیاں مہک اٹھیں جس قبر میں آپ سکونت پذیر ہیں، اس پر میری جان فدا ہو۔ یہاں پاکی سخاوت و بزرگی مدفون ہے۔ آپ ہی وہ محبوب ہیں جن کی شفاعت کے، پل صراط پر سب امیدوار ہیں۔

پھر صدیق اکبر ؓ اور عمر فاروق ؓ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے!

پھر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منبر شریف کے پاس حاضر ہوتا ہے، اور تصور کرتا ہے کہ گویا آپ ؐ منبر پر چڑھے کھڑے ہیں اور مہاجرین و انصار آپ ؐ کے گرد حلقہ کیے ہوئے ہیں اور آپ ان کو خطبہ میں حق تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب و ہمت دلا رہے ہیں اور نافرمانی سے روک رہے ہیں اور ڈرا رہے ہیں۔

دل میں توحید پر جینے مرنے کا پختہ عزم کرتا ہے، حضور ؐ کی محبت کو قلب میں اور زیادہ راسخ کرتا

ہے اور آپ کی سنت مطہرہ پر ساری عمر عمل کا پورا ارادہ کرتا ہے' اس عقیدہ کو پختہ کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ہر حال میں اس کے نگراں ہیں (اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی)، اس کے دل کے وسوسوں اور خفیہ خطرات و خیالات کو دیکھتے اور جانتے ہیں تاکہ سب کاموں میں ادب کا لحاظ رکھے' جیسے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کی نظروں کے سامنے ہے' ہر وقت گردن جھکائے اور ہر کام میں ادب! اس یقین کو بھی دل میں مضبوط کرتا ہے کہ "فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ!" یعنی طاعات کو ثواب سے ایسی نسبت ہے کہ جیسے غذا کو پیٹ بھرنے سے' اور گناہوں کو عذاب سے وہ تعلق ہے جو زہر کو ہلاکت سے! عزم کرتا ہے کہ اپنے تمام حرکات و سکنات' خطرات و لحظات' لفظات و فلتات' عذرات و خجرات پر ہمیشہ نظر رکھے گا اور تقویٰ کے اختیار کرنے میں اور ہر برائی سے اجتناب کرنے میں مبالغہ سے کام لے گا' بحول اللہ و قوتہ۔

آخر میں اس تسکین بخش عقیدہ کو بھی پختہ کرتا ہے کہ رزق کی کفالت خود حق تعالیٰ نے فرمائی ہے' یہ کہہ کر کہ مَامِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا یہ رزق جس کی ضمانت دی گئی ہے' یہ رزق ضرور ملے گا' جتنا مقدر ہے وہ قطعاً پہنچ کر رہے گا' طلب رزق بطور شرعی کرنا چاہیے' اور جو چیز فوت ہو جائے اس پر افسوس نہ کرنا چاہیے۔ لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ۔ (الحدید ۵۷: ۲۳)

منبر شریف کے پاس پہنچ کر تصور کرتا ہے کہ کچھ ان ہی کیفیات پر حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) زور دے رہے ہیں اور وہ انھیں اپنے قلب میں اتار رہا ہے اور اپنے تحت شعوری نفس میں انھیں پختہ کر رہا ہے۔

حج و زیارت کے اعمال میں یہ ہے دل کا وظیفہ' جس کے اجمال کا ذکر ہوا۔ اس طرح فارغ ہو کر حاجی فرط مسرت سے چیخ اٹھتا ہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است   افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را   کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

میں اپنی ان آنکھوں پر ناز کرتا ہوں کہ انھیں تیرے جمال کا دیدار حاصل ہوا ہے۔ میں اپنے پاؤں کی خوش بختی پر نازاں ہوں کہ یہ آپ کے کوچہ تک پہنچے ہیں۔ میں ہر لحہ اپنے ہاتھوں کو چومتا ہوں کہ انھوں نے آپ کا دامن پکڑا اور میری طرف کھینچ لیا۔

ایمان افروز کتابیں

۱- قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	27 -
۲- انتخاب قرآن	محمد فاروق خاں ایم اے	19.50
۳- درس قرآن	محمد یوسف اصلاحی	21 -
۴- تفسیر سورہ یٰس	"	21 -
۵- آسان تفسیر سورہ نور	محمد عبدالحیٔ	18 -
۶- آسان تفسیر چوبیسواں پارہ	"	42 -
۷- آسان تفسیر تیسواں پارہ	"	72 -
۸- سنت کی آئینی حیثیت	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	57 -
۹- اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	18 -
۱۰- اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی	"	57 -
۱۱- رسائل و مسائل اول تا پنجم	"	291 -
۱۲- کشف المحجوب	سید علی ہجویریؒ - ترجمہ میاں طفیل محمد	72 -
۱۳- کتاب الزکوۃ	علامہ ابن رشدؒ	7.50
۱۴- اسلام آپ سے کیا چاہتا ہے؟	سید حامد علی	21 -
۱۵- اسلام ایک نظر میں	مولانا صدرالدین اصلاحی	48 -
۱۶- فریضہ اقامت دین	"	27 -
۱۷- دین کا مطالعہ کیسے کریں	"	6 -
۱۸- ترجمان الحدیث اول - دوم	سید محمود حسن فاضل دیوبند	138 -
۱۹- سراجاً منیرا	شاہد ناز قاضی	96 -
۲۰- اسلام کے بنیادی عقائد	ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور	30 -
۲۱- کبیرہ گناہوں کی حقیقت	"	81 -
۲۲- قیامت کی ہولناکیاں	عبدالملک الکلیب ترجمہ شبیر بن نور	90 -
۲۳- آداب زندگی	محمد یوسف اصلاحی	54 -

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۱۳- ای شاہ عالم مارکیٹ - لاہور (پاکستان) فون :- 7325243 - 7664504 فیکس 7658674 (042)

دل کی زندگی

عبد اللہ دانش

آج دلوں کی سرزمین اس قدر بنجر ہوگئی ہے کہ اس میں کوئی روئیدگی 'کوئی سبزہ' مہر و وفا کی کوئی کونپل تک نہیں پھوٹتی ۔ ہر فرد اپنے دل کے ہاتھوں پریشان ہے' دوسرے انسان کے دل کی آہوں' سسکیوں کو' سننے کی صلاحیت سے بھی محروم ہے ۔ اپنے گھر سے لے کر باہر کی وسیع دنیا تک دلی صدمے وافر میسر ہیں 'غم جگہ جگہ ملتا ہے 'نفرت و کدورت کے چرکے قدم قدم پر لگ رہے ہیں ۔

ہمارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہمارے سینوں میں دل' اور دل میں جذبات محبت موجود رہیں ۔ زندگی ایک پھول ہے اور محبت اس کی مٹھاس ہے' محبت سے ہی دل کی زندگی اور اطمینان کا سامان ہے ۔ پاکیزہ اور پائیدار محبت کی خوبصورت راہنمائی ہمارے خالق نے اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے ۔

فرمایا: اہل ایمان کے دلوں کو محبتِ الٰہی جوڑتی ہے نہ کہ دولت' روئے زمین کے خزانے لٹا کر بھی دلوں میں محبت کی جوت نہیں جگائی جا سکتی ۔ (الانفال: ۶۳) وہی اَرْحَمُ الرّاحِمِین ماں کے دل میں بچے کی بے پناہ محبت ڈال دیتا ہے ۔ پھر باپ کے دل میں' بھائی کے دل میں بھائی کی' میاں بیوی کے درمیان 'محبت جہاں بھی ہے' اللہ تعالیٰ کی عطا ہے ۔

لیکن سب سے بڑھ کر تو اپنے خالق سے اور اس کے نبی ؐ سے محبت' حاصل زندگی ہے ۔

محبتِ الٰہی

شیخ بدر الدین عینی ؒ فرماتے ہیں: اسبابِ محبت تین ہیں: کمال 'جمال' جود و سخا ۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے لحاظ سے لامتناہی کمالات کا حامل ہے 'کوئی خوبی ناتمام نہیں ہے ۔ اس کے کمالات کی کشش بندے کو گرویدہ کرتی ہے ۔ جمال کے لحاظ سے بھی وہ ذات' انتہا کو پہنچی ہوئی ہے ۔ یعنی اس جیسا کوئی حسین وجمیل نہیں ۔ جود و سخا پر غور کریں' ہم اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شمار تک نہیں کر سکتے ۔

اللہ کے نبیؐ نے فرمایا: اس شخص نے ایمان کا شیریں مزہ پالیا جو اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو گیا۔ رضائے الٰہی کی مٹھاس تمام حلاوتوں سے زیادہ میٹھی ہے۔ ہم بے نصیب مسلمان اس مٹھاس سے اپنے دل خالی کر بیٹھے۔ اب محبتِ الٰہی کی حلاوت کہاں سے نصیب ہو؟ یہ کلام اللہ سے حاصل ہو گی۔ جب قرآن کریم کو دل کی دھڑکنوں میں اتارا جائے گا تو حُبِّ الٰہی کی سرسبز شاخیں 'کونپلیں اور کلیاں کھل جائیں گی۔ آگاہ رہو! ذکرِ الٰہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے (۱۳: ۲۸)۔ ذہنی سکون کی تلاش میں لوگ ملک ملک پھرتے ہیں۔ اطمینان قلب ظاہری نماز روزہ کرنے والوں کو بھی کم ہی میسر آتا ہے۔ کیونکہ دلوں میں حُبِّ الٰہی کے برابر برابر' اور کبھی بالاتر' اور بہت سی چیزوں کی محبت حسین بتوں کی شکل میں سجائی ہوتی ہے۔

ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: حضورؐ' ایسا عمل بتائیں کہ خدا اور بندگانِ خدا مجھ سے پیار کرنے لگیں؟ آپؐ نے فرمایا: دنیا سے بے نیاز ہو جا' خدا تجھ سے پیار کرے گا (ابن ماجہ)۔ اسی کو استغنا کہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: "الغنی غنی النفس" استغنا کی شان اور مقام دل ہے۔ ہمارے ماحول میں زاہد' اسے سمجھتے ہیں جو تارکِ دنیا ہو' میلے کچیلے کپڑے پہنے ہو' کسی گندی کٹیا میں بسیرا ہو' کسی سے سیدھے منہ بات نہ کرے۔ حالانکہ ارشادِ نبویؐ کے مطابق زہد یہ ہے کہ دل' غیراللہ سے بے نیاز ہو جائے' ؎ کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

یہ استغنائے قلب جسے نصیب ہو جائے' چاہے امیر ہو' غریب ہو' اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو' ان پڑھ ہو' اس کے دل میں محبتِ الٰہی کا بیج ثمربار ہو گا۔ چاہے اسے عبادت و ریاضت مراحلِ چلّہ کشی کا کوئی موقعہ ہی نہ ملا ہو' تخمِ حُبِّ الٰہی اس کے دل کی زرخیز زمین کو مالا مال کر دے گا۔ فرعون کا جبر و قہر ایسے مومن کے ایمان اور اطمینان کو' ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتے۔ اسے سولی پر لٹکانے کا حکم مل جائے' تب بھی برملا کہے گا "فاقض ما انت قاض" (۲۰: ۷۲)۔ "تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے"۔ اب مجھے اپنے خدا کی محبت کے سوا کسی کی پروا نہیں ہے۔

دورِ حاضر میں مادہ پرستی نے اکثریت کو دولت کا پجاری بنا دیا ہے' جس کے نتیجہ میں دلوں کے اندر بے اطمینانی ہے۔ حصولِ سکون کے لیے نشہ آور چیزیں استعمال ہو رہی ہیں۔ راتوں کو فطری نیند غائب ہونے پر' خواب آور دوائیں استعمال کر کے 'مصنوعی طریقے سے نیند کا سامان ہو رہا ہے۔ بجلی کی تیز روشنیوں نے رات کے ستاروں کی جھلملاہٹ اور چاند کے نظاروں کی آیات کے نور سے محروم کر دیا ہے۔ ٹیلیویژن نے اہلِ ایمان کا ٹائم ٹیبل ایسا تلپٹ کیا کہ نہ نماز عشا باجماعت مقدر ہوتی ہے' نہ مسنون طریقے سے نماز عشاء کے فوراً بعد سونا قسمت میں ہے' نہ وقتِ سحر بیداری کی توفیق رہی۔

؎ شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

حضورؐ نے فرمایا: جو کوئی اللہ کی ملاقات کا آرزومند ہو گا، اللہ کو اس سے ملنے کی چاہت ہوگی۔ جو اللہ سے ملنا پسند نہیں کرے گا، اللہ اس سے ملنا پسند نہیں کرے گا (احمد)۔ اگر اللہ کے ساتھ بندے کا معاملہ صاف نہیں ہے بلکہ خدا کا چور ہے، تو کس منہ سے سامنے جائے گا۔ نری شرمساری ہے۔ ایک دوسرا شخص جس نے خدا کے احکام کی فرمانبرداری میں زندگی گزاری، نہ وہ خدا کے حقوق کا مقروض ہے نہ کسی بندے کے حقوق کا۔ اس کا دل تو ہر وقت چاہے گا کہ میں خوشی خوشی اپنے خالق سے جا ملوں۔ اسے کوئی حجاب نہیں، کوئی رکاوٹ نہیں۔ دل کا آئینہ صاف ہے، تو ڈر کس چیز کا؟

حُبِّ رسولؐ

خالق کی محبت دل میں جاگزیں ہو تو پھر اس کے رسولؐ کی محبت بھی پیدا ہو جاتی ہے، جس کی راہنمائی خدا تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ" بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے (۳۳: ۶)۔

غازی علم الدین شہید ؒ ایک ترکھان کا نوجوان بیٹا کوچوان تھا۔ نہ کسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی، نہ کسی دارالعلوم سے فارغ التحصیل۔ جونہی اسے گستاخِ رسولؐ کی کتاب "رنگیلا رسول" کا علم ہوا، وہ کھانا پینا بھول گیا، اس کے دل میں حُبِّ رسولؐ سے لبریز ایمان نے جوش مارا اور شاتم رسول کو جہنم واصل کر کے، وہ پورے قلبی اطمینان کے ساتھ، ہنسی خوشی پھانسی پر لٹک گیا۔ اس کی شہادت پر، فلسفہ کا پی ایچ ڈی اقبال حسرت سے کہہ اٹھتا ہے "ترکھان دا منڈا اساڈے ساریاں تو بازی لے گیا، تے اسیں ویکھ دے ای رہ گئے"۔

قاضی عیاض ؒ نے "الشفاء" میں لکھا ہے: ایک رات حضرت عمرؓ رعایا کی خبرگیری کے لیے گشت کرتے کرتے ایک گھر کے پاس سے گزرے جس میں ٹمٹماتا ہوا چراغ جل رہا تھا۔ اندر ایک بڑھیا اون دھنک رہی تھی۔ ساتھ ساتھ محبت رسولؐ کا ترانہ نہایت جوش و خروش سے گا رہی تھی: موتیں تو بہتیری آتی رہتی ہیں، کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ میرے مرنے کے بعد میرے حبیب و محبوب سے ملاقات ہوگی اور زیارت نصیب ہوگی۔ یہ ترانہ محبت سن کر حضرت عمرؓ کے قدم وہیں رک گئے، دل گرفتہ ہو کر بیٹھ گئے۔ بہت دیر تک یادِ رسولؐ میں روتے رہے۔

حضورؐ کی نعش مبارک صحابہ کرامؓ دفن کر کے فارغ ہوئے۔ خادم رسولؐ حضرت انسؓ سے دخترِ رسول فاطمہؓ بتول نے پوچھا: انس، کس حوصلے سے حضور اقدسؐ کے جسدِ مبارک پر مٹی ڈال کر آئے ہو؟ (البدایہ و النہایۃ)۔

وفات النبی ﷺ کے بعد ایک دن حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور انسؓ، ام ایمنؓ (حضورؐ کی رضاعی ماں) کے ہاں پہنچے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ابوبکرؓ و عمرؓ نے کہا: کس لیے روتی ہو؟ حضورؐ کے لیے اللہ کے پاس اس دنیا سے بہتر نعمتیں ہیں۔ خاتون نے کہا: بالکل، مجھے علم ہے کہ خدا کے ہاں دنیا سے بہت بہتر انعام ہیں۔ مگر میں تو اس صدمے سے روتی ہوں کہ حضورؐ کے جانے کے بعد آسمانوں سے وحی آنا بند ہو گئی ہے۔ یہ بات سن کر شیخینؓ بھی رونے لگے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ایک آدمی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: حضورؐ، آپ کی ذات مجھے میری جان، میری بیوی، میرے بچوں سے زیادہ محبوب ہے۔ میرے گھر میں جب آپؐ کا ذکرِ خیر ہوتا ہے تو آپ کے شوقِ زیارت میں بے صبر ہو جاتا ہوں۔ فوراً آ کر آپؐ کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہوں۔ جب مجھے اپنی اور آپؐ کی موت یاد آتی ہے، میں پریشان ہو جاتا ہوں۔ آپؐ جنت میں داخل ہونے کے بعد، انبیاؑ کے ساتھ اعلیٰ منازل میں ہوں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں جنت میں آپ کی زیارتوں سے محروم نہ ہو جاؤں۔ حضورؐ یہ بات سن کر خاموش ہو گئے تو جبریلؑ وحی لے آئے کہ "جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کریں گے (یعنی زبانی نہیں، عملی محبت) وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین کے ساتھ۔ یہ آیت صاف اشارہ دے رہی ہے کہ جیسے اہل جنت کا جشن زیارتِ الٰہی ہوا کرے گا، ویسے ہی زیارتِ نبویؐ کے حسین مواقع بلا تردد حاصل ہوں گے۔ اہل جنت حضورؐ سے ملاقاتیں، مصافحے، معانقے کر کے، آنکھوں کو فرحت اور دل کو سرور بخشیں گے۔ انشاء اللہ!

حضرت حسانؓ نے حضورؐ کی مدح میں کیا خوب کہا ہے:

خلقت مبرا من کل عیب کانک قد خلقت کما تشآء

آپؐ ہر عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا خالق نے آپؐ سے پوچھ پوچھ کر آپؐ کو بنایا۔

و اجمل منک لم تر قط عینا و احسن منک لم تلد النسآء

آپؐ جیسا خوبصورت کسی آنکھ نے دیکھا ہی نہیں۔ آپؐ جیسا حسین کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔

تری صورت، تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

ربیعہؓ بن کعب اسلمی (خادم رسول اللہؐ) سے ایک رات حضورؐ نے فرمایا: مجھ سے کچھ مانگ لے۔ انھوں نے کہا: حضورؐ! میرا سوال صرف یہ ہے کہ جنت میں آپ کی رفاقت نہ چھوٹ جائے۔ آپؐ نے فرمایا اپنی تمنا کے حصول کے لیے سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو (صحیح مسلم)۔

حضرت سہل ؒ بن عبداللہ کہتے ہیں: حُبِّ الٰہی کی نشانی حُبِّ قرآن 'حُبِّ قرآن کی علامت حُبِّ نبی ؐ 'حُبِّ نبی ؐ کی علامت حُبِّ سنت 'حُبِ سنت کی علامت حُبِّ آخرت 'حُبِّ آخرت کی علامت دنیا سے بغض 'اور بغضِ دنیا کی علامت یہ ہے کہ دنیا کا ذخیرہ کرنے کے بجائے 'توشہ آخرت لے کر آخرت تک پہنچ جائے (الشفا)۔

کاش! آج کے اندھے دانش وروں کو آنکھیں نصیب ہوتیں 'تو رہبرِ کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع کمالات شخصیت نظر آ جاتی۔ جن کو زندگی میں پاکیزگی ہی پاکیزگی 'افکار و کردار کا حسین امتزاج 'جن کی حیاتِ مبارکہ سراسر خلقِ خدا کے لیے رحمت ہی رحمت۔ پوری تریسٹھ سالہ زندگی ایسی بے داغ چمکتی چادر 'کہ کوئی معمولی دھبہ نہ دکھایا جاسکے۔ اس راہبر ؐ کامل کے ہوتے ہوئے اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرنا کیسی بے نصیبی ہے۔

محبتِ رسولؐ کا تقاضا ہے کہ آپ ؐ کی پوری پوری فرمانبرداری کی جائے اور ساری زندگی اسی عہد لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللہِ کی وفا میں گزر جائے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

اذلۃ علی المومنین ، "مومنوں پر نرم" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اہلِ ایمان کے مقابلے میں 'اپنی طاقت کبھی استعمال نہ کرے۔ اس کی ذہانت 'اس کی ہوشیاری 'اس کی قابلیت 'اس کا اثر و رسوخ 'اس کا مال ' اس کی جسمانی قوت 'کوئی چیز بھی مسلمانوں کو دبانے اور ستانے اور نقصان پہنچانے کے لیے نہ ہو۔ مسلمان اپنے درمیان اس کو ہمیشہ نرم خو 'رحمدل 'ہمدرد اور حلیم انسان پائیں۔

حضور ؐ نے فرمایا: جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے 'اس کا ہاتھ محبت سے پکڑتا ہے 'تو دونوں کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جیسے خشک درخت کے پتے تیز ہوا میں جھڑتے ہیں۔ چاہے دونوں کے گناہ سمندروں کے جھاگ برابر ہوں 'سب معاف ہو جاتے ہیں۔

مومن کی شان گلاب کے شگفتہ و دلکش پھول کی طرح ہے۔ جس شاخ پر مسکرا رہا ہوتا ہے 'وہ شاخ کانٹوں سے بھری ہوتی ہے۔ اسے دوسروں سے زخم پہنچیں تو بھی یہ کسی کو ذرا دکھ نہیں دیتا۔ اللہ کے رسول ؐ نے فرمایا: لوگوں سے محبت کرنا آدھی عقل مندی ہے۔ یعنی دیگر تمام امورِ حیات کی دانائی ایک طرف 'اور صرف انسانوں سے محبت کا عمل ایک طرف۔ حضور ؐ نے فرمایا: مومن سراپا محبت و الفت ہے۔ اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ کسی سے الفت رکھتا ہو 'نہ کوئی دوسرا اس سے انس رکھے۔

تمنا ہر فردِ بشر کی یہ ہے کہ لوگ مجھ سے پیار کریں۔ نسخہ نہایت سادہ اور آسان ہے کہ آپ ہر

کسی سے پیار کریں' لوگ آپ سے پیار کرنا شروع کر دیں گے۔

مگر مومن کی شان صرف یہ ہی نہیں کہ خود صاف دل رہے' بلکہ دوسروں کے دل کی صفائی کا اہتمام کرے۔ کسی کو کسی سے غلط فہمی ہے تو اسے رفع کروائے تاکہ سب کے دل ایک دوسرے کے لیے صاف ہوں۔ دل صاف ہو جائیں تو زبان خود بخود صاف ہو جاتی ہے۔ غیبت کے تیرو نشتر زبان سے اسی وقت چلتے ہیں جب دل میلا ہو۔

حضور ؐ کا یہ فرمان بھی ہے کہ حُسنِ ظن بھی عبادت کے حسین مدارج سے ہے۔ جتنا بھی ممکن ہے دوسرے کے بارے میں دل صاف رہے۔ خواہ مخواہ دوسروں کی کرید لگاتے پھرنا' پھر اس کے چرچے کرنا' مناسب کام نہیں۔

خداوند کریم ہمیں ان ارشادات نبوی ؐ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب کر دے۔ آج ہمارے اڑوس پڑوس میں کتنے مظلوم و مجبور' مرد' عورتیں' بچے' بوڑھے سسک رہے ہیں' بلک رہے ہیں۔ کون ہے جو اپنی آنکھ کے درد کی طرح' کسی دوسرے مسلمان کے درد کا درماں کرے؟ کون ہے جو حضور ؐ کی طرح دوسروں سے دکھ سہہ کر' ان کے سکھ کا سامان کرے؟ کون ہے جو دشمن سے پتھر کھا کر' انھیں دعائیں دے؟ کون ہے جو سرِشام پریشان حال بڑھیا کا سامان اٹھا کے' اسے منزل تک پہنچا آئے؟ کون ہے جو ابوبکر ؓ کی طرح رات کی تاریکی میں' ایک معذور بڑھیا کے گھر کی صفائی کرے؟ کون ہے جو عمر ؓ کی طرح' راشن اپنی کمر پر اٹھا کر' اپنی بیوی کو ساتھ لے کر کسی خانہ بدوش کی مدد کو جا پہنچے؟ کون ہے جو عثمان ؓ کی طرح اپنا سارا مالِ تجارت جہاد میں جھونک دے؟ کون ہے جو علی ؓ کی طرح' دشمن کے سینے پر بیٹھ کر' صرف اس لیے اسے چھوڑ دے کہ اس نے منہ پر تھوک دیا تھا؟ کون ہے جو دخترِ حاتم طائی کو ننگے سر گرفتار دیکھ کر' اپنی چادر مبارک سے' اس کا سر ڈھانپ دے؟ ہے کوئی آج' جو اپنے ملازم کو سواری پر بٹھا کر' خود پیدل چلے؟ ہے کوئی جو مہمان کو کھلا کر خود بھوکا سو جائے؟ ہے کوئی جو اپنے اوپر کوڑا پھینکنے والی کی عیادت کرے؟ ہے کوئی جو غریبوں کی مجلس میں بیٹھ بیٹھ کر ان کی دلجوئی کرے؟

اللہ کی محبت' اس کے رسول ؐ کی محبت' مسلمان بھائی کی محبت' انسانوں کی محبت' جو اللہ کی عیال ہیں۔ یہی دل کی زندگی اور قوت کا سامان ہے' اور دل کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔

یورپ میں فلسفۂ سائنس کا ارتقا

پروفیسر عبدالقدیر سلیم

دورِ جدید کے پرانے سائنس داں

کوپرنی کس کے اس دعوے نے کہ زمین سورج کے گرد حرکت کر رہی ہے' اور گیلی لیو کے اس انکشاف نے کہ چاند کی سطح پر بھی زمین کی طرح پہاڑ اور وادیاں ہیں 'جدید سائنس کا آغاز کر دیا۔

بات اتنی سادہ نہیں تھی۔گیلی لیو کی کہانی پر تو ہم آیندہ صفحات میں بات کریں گے 'ابھی یہ دیکھنے کی بات ہے کہ یورپ میں سائنس کے فروغ اور مذہب کے زوال کی داستان خطِ مستقیم میں چلنے والی ایک سیدھی اور سپاٹ کہانی نہیں ہے۔وہ لوگ بھی جو آج سائنس کے ہیرو اور شہید کے طور پر سامنے لائے جاتے ہیں' اور جنھیں مذہب دشمنی اور عقل دوستی (یورپ اور مشرق کے دانش وروں کے ایک گروہ نے انھیں لازم و ملزوم بنا دیا ہے) کی اسناد دی جاتی ہیں 'بہت سے توہمات 'غلط عقائد اور نیم پختہ نظریات کے پرجوش حامی اور پرچاری تھے۔برونو' (جسے کلیسائی عدالت نے مجرم قرار دینے کے باوجود سیکولر عدالت اور حکام کے حوالے کر دیا تھا) صرف زمین اور اجرام سماوی کی حرکت ہی کا قائل نہ تھا' بلکہ سیارگان کی اپنی انفرادی ''صفات'' اور ان کے اثرات پر بھی ایمان رکھتا تھا۔زہرہ کے زیرِ اثر پیدا ہونے والے لوگ محبت 'امن اور خیرسگالی طبیعت رکھتے ہیں' اور مریخ کے زیرِ اثر اشخاص جنگ جو' غصیلے' ہٹیلے اور منافرت کا مزاج رکھتے ہیں۔بہت سی بیماریاں بد اثرات اور بھوت پریت کے اثر سے پیدا ہوتی ہیں 'اور کئی امراض شاہی لمس یا ساتویں بیٹے کے تھوک سے دُور کیے جاسکتے ہیں۔وہ اعداد اور کئی اشیاء کی طلسماتی خصوصیات کا بھی قائل تھا۔اس کے ساحرانہ علوم کی بھی تھوڑی بہت شہرت تھی (اور جادوگروں / جادوگرنیوں کو جلا دینا ہی اس زمانے میں سحر کا واحد توڑ تھا)۔آخر کار ۱۶۰۰ میں اسے زندہ جلا دیا گیا اور وہ ایک ''شہید سائنس'' بن گیا۔

صرف مذہبی لوگ ہی نہیں 'بلکہ حکمراں' عوام اور دانش ور بھی علم و جہل کی معجونِ مرکب کے رسیا تھے۔وِل ڈوران' ۱۵۶۳ کے ایک پمفلٹ کا اقتباس پیش کرتے ہیں: ابلیس کے ساتھ تعلقات

استوار کرنا' حلقوں اور کرسٹل کے ذریعے اس کی قربت حاصل کرنا' حاضرات کے عمل سے اسے دعوت دینا' اس کے ساتھ اتحاد قائم کرنا' اور اس طرح کے سیکڑوں ساحرانہ فنون اور عملیات کا آج کل ایسا رواج ہو گیا ہے کہ پہلے کبھی نہ تھا۔ اعلیٰ اور ادنیٰ' پڑھے لکھے اور جاہل 'سبھی اس میں یکساں طور پر ملوث ہیں (۱)۔ کیپلر 'جس نے جدید فلکیات کی بنیاد رکھی 'سیاروں کے بیضوی مدار اور ان کی رفتار' سورج سے ان کے فاصلے' ان کی گردش کے دورانیے وغیرہ سے متعلق "کیپلر کے قوانین" دیے' اس بات پر سنجیدگی سے یقین رکھتا تھا کہ سیاروں کی متحدہ حرکات سے ایک ایسی موسیقی جنم لیتی ہے' جسے صرف آفتاب کی "روح" ہی سن سکتی ہے۔ تاہم ریاضی اور حساب کتاب کی تفصیلات پر مبنی اپنی فلکیات کے ذریعے اس نے کوپرنی کس کے "آفتاب مرکز" نظریے کی راہ ہموار کر دی تھی۔

یہ وہ ذہنی اور علمی فضا تھی جب ۲۱ اگست ۱۶۰۹ء میں گیلی لیو نے اپنی دوربین کا مظاہرہ کیا۔ وینس (اٹلی) کے بلند ترین چرچ سے اس نے شہر کے عمائدین اور اراکین سینیٹ کو اپنے "جاسوس شیشے" کے ذریعے سمندر کے ان جہازوں کا نظارہ کرا دیا' جو ابھی خالی آنکھ سے دیکھے جانے کے لیے دو گھنٹے کے فاصلے پر تھے۔ سب نے بڑی واہ واہ کی' اور اس کی بڑی ہمت افزائی کی گئی۔ وہ اپنی دوربین کو بہتر بناتا رہا۔ زیادہ بہتر اور طاقت ور شیشوں اور عدسوں سے اس نے اس دوربین کی قوت کو (خالی آنکھ کے مقابلے میں) ہزار گنا بڑھا لیا۔ اب اس نے اس کا رخ جو آسمانوں کی طرف پھیرا تو دنیا ہی بدلی ہوئی نظر آئی۔ کہکشاں میں' جو خالی آنکھ سے محض ایک روشن سحابی پٹی نظر آتی تھی' سیکڑوں ستارے نظر آنے لگے۔ اس دوربین کے ذریعے اسے سارا آسمان اور ستاروں کے جھرمٹ نئے نئے ستاروں سے معمور دکھائی دیے۔ چاند 'کسی دوسرے عالم کا اثیری کرہ نہ رہا' بلکہ پہاڑوں' وادیوں اور سطوح مرتفع کی ایک ایسی ہی "زمین" نظر آیا' جیسی ہماری اپنی زمین ہے۔

گیلی لیو کو اپنے انکشافات اور تحقیق کی پوری پوری داد ملی۔ اسے جامعہ پیسا کے "ریاضی دان اول" اور فلسفی کا خطاب دیا گیا' جب کہ اس پر لیکچر دینے کی کوئی پابندی بھی نہ تھی' تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت مشاہدے اور تحقیق پر صرف کر سکے۔ مذہبی حلقوں میں بھی اس کی پذیرائی تھی' خود جناب پوپ نے بھی اسے خیر خواہی کا یقین دلایا تھا۔ تاہم اس کی کامیابیوں اور شہرت نے اسے خود سر اور مغرور بنا دیا تھا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں' حرکتِ ارض کے نظریہ کو پہلے ہی پیش کیا جا چکا تھا' لیکن اس نے اس نظریے کا ایک "حقیقت" کے طور پر ادعا کرنا شروع کر دیا۔ کوپرنی کس کے نظامِ سماوی کی اس نے زور شور سے تبلیغ کی۔ اہلِ کلیسا کی رائے (اور ایمان) مختلف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے انجیل مقدس کی تردید ہوتی ہے' جس کے مطابق ہماری زمین ہی اللہ تعالیٰ کے عرش کی حامل' اس کے چہیتے

فرزند کی قربان گاہ اور کائنات کا مرکز ہے۔

۱۶۱۵ میں "عمائدین کلیسا کے دفتر مقدس" کی طرف سے اس سے کہا گیا کہ اگر وہ اپنی تصنیف میں چند جملوں کا اضافہ کر دے اور یہ لکھ دے کہ کوپر نی کس کا خیال ایک "نظریہ" ہے (نہ کہ ثابت شدہ حقیقت) تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ مگر اس نے اس سے انکار کیا۔ "جہاں تک اجرام کائنات کا تعلق ہے' میں عقیدہ رکھتا ہوں کہ سورج' اجسام سماوی کی دَوری گردش کے مرکز میں بے حرکت قائم ہے۔ جب کہ زمین اپنے محور پر گردش کرتی ہے' اور سورج کے گرد گھومتی ہے"۔ آج ایک اسکول کا طالب علم بھی کہہ اٹھے گا کہ گیلی لیو کا یہ خیال کلیتاً نہیں' بلکہ صرف جزوی طور پر ہی درست ہے۔ زمین' سورج کے گرد گردش تو کرتی ہے' مگر خود سورج بھی ساکن نہیں' اور نہ وہ کائنات کا مرکز ہے' بلکہ وہ ستاروں کے اس مجموعے کا ایک اوسط درجے کا رکن ہے' جسے ہم اپنی کہکشاں کہتے ہیں' اور جس میں کئی ارب چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں۔ اور یہ سب' اور خود کہکشاں بھی اپنے اپنے انداز میں متحرک ہیں (۲)۔ یہ تو نئی فلکیات ہے' مستقبل میں کون سے حقائق انکشافات کے منتظر ہیں' اور کون سے ترمیم اور تردید کی بھینٹ چڑھنے والے ہیں' اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔

گیلی لیو اور حرکتِ ارض

تو ہوا یوں کہ گیلی لیو پر مقدمہ چلا اور اسے کرۂ زمین کی بجائے سورج کو مرکز کائنات کہنے کے جرم میں قید کی سزا دے دی گئی (۱۶۱۶)۔ اس بوڑھے کو' جو اپنی بینائی تقریباً کھو چکا تھا' شہید سائنس کا رتبہ حاصل ہو گیا' اور دنیا بھر کے آزاد خیال مصنفین اور کہانی لکھنے والوں نے اسے مذہبی جبریت کے خلاف خوب خوب استعمال کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے پنڈولم کی حرکت' لیور اور پُلی کے اصول' اجسام کی افقی حرکت' سکون وغیرہ کے کئی اصول دریافت کیے' جنھیں بعد میں نیوٹن نے قوانین کی حیثیت سے مدون کیا۔ آج یہ مباحث' ہمارے مدارس کے سائنسی نصاب کا حصہ ہیں۔ مگر اس کے بہت سے "انکشافات" اس سے بہت پہلے مشہور اطالوی مصور اور مجسمہ ساز لیونارڈو ڈاونشی (م ۱۵۱۹) کے ذہن رسا اور کارگر ہاتھوں کے آگے سپر انداز ہو چکے تھے۔ اس نے اپنی تصانیف میں کہیں بھی پیسا کے خمیدہ مینار والے تجربے کا ذکر نہیں کیا (کہتے ہیں کہ اس نے دو مختلف وزن کے آہنی گولے مینار سے گرا کر یہ ثابت کیا تھا کہ ایک ہی کثافت رکھنے والی دو اشیا زمین پر گرنے میں یکساں وقت لیں گی) جو بعد کے مصنفین نے اس سے منسوب کر دیا ہے' حالاں کہ وہ اپنے کارناموں کے اظہار میں کبھی بخیل نہیں پایا گیا۔ اس کی عام سماجی زندگی کا اس کی سائنسی فتوحات کے ساتھ عموماً ذکر نہیں کیا جاتا۔ ۱۶/۱۷ ویں صدی کے عیسائی اخلاق میں آزادیِ افکار (اور رسمی طور پر) آزادیِ اعمال کی گنجائش کچھ کم تھی۔ تاہم

اس نے ایک عیسائی نیکی 'یعنی تجرد کی زندگی کو اپنایا 'کبھی شادی نہیں کی 'لیکن ایک داشتہ ضرور رکھی جس سے اس کے تین بچے ہوئے۔ لیکن مذہب اور اہل کلیسا پر خفیہ تبرا بھی اس کا شعار تھا (اس کے سائنسی "مکالمات" جن میں چرچ کے عقائد کا ادعا وہ ایک کم عقل اور بر خود غلط بے وقوف کے منہ سے کراتا ہے)۔ وہ خود ایک اڑیل اور متکبر انسان تھا۔ مگر ان تھک محنت 'عزم اور حوصلے نے اسے اس کی کاوشوں کا صلہ بھی بہت دیا۔ گویا وہ روشن خیالی کے دَور کے ایک ہیرو کی تمام خوبیاں اور کمزوریاں رکھتا تھا۔ اسے نئی ابھرتی ہوئی سائنس کا ایک پُر اعتماد نمایندہ سمجھا جاسکتا ہے۔

سترہویں صدی کی سائنسی فکر اور فطریت کے نچوڑ کے طور پر کائنات اور انسان کی جو تصویر ابھر کر آتی ہے 'اس کی ایک نمایندہ مثال ہولباخ (D'Holbach: ۸۹ - ۱۷۲۳) ہے۔ فرانس کے ان نواب صاحب نے دوسرے آزاد خیال مفکرین کے ساتھ دائرۃ المعارف کی تالیف میں حصہ لیا 'اور اپنے پیرس اور مضافاتی بنگلے میں ہفتہ وار نشستوں کے ذریعے دانش وروں اور "روشن خیالی کے چراغوں" کی ضیا سے اوہام و عقائد کی تاریکی دور کرنے 'اور سائنسی اور فلسفیانہ فکر کی روشنی پھیلانے میں نمایاں کردار ادا کیا' مذہب اور عقائد اور "کلیسائی جہالت" کے خلاف متعدد کتابیں تالیف کیں اور ۱۷۷۰ میں "نظامِ فطرت" (System of Nature) کے عنوان سے اپنا شاہکار دنیا کے سامنے پیش کیا 'جس میں مادیت کے نظریے کو پورے زورِ استدلال اور قوتِ اظہار کے ساتھ واضح کیا گیا۔ بعد میں وہ اسی فلسفہ مادیت کے اخلاقی 'سماجی اور سیاسی مضمرات کی توضیح کرتا رہا' اور اس طرح اس نے نئی زبان اور نئی اصطلاحات میں کائنات کے مادی نقطہ نظر کے مطابق وہ بنیادی ڈھانچہ کھڑا کر دیا 'جس کے مختلف پہلوؤں کی ہربرٹ اسپنسر' ڈارون 'کارل مارکس 'فرائیڈ اور میکس ویبر نے جزئیات اور تفصیلات کے ذریعے نقش گری اور رنگ آمیزی کی 'اور اسے ایک متحرک 'جاندار اور غالب "فلسفہ کل" کا درجہ دلانے میں اپنی تمام ذہانت اور صلاحیتیں صرف کر دیں۔

ہولباخ اور مادیت

ہولباخ کی "نظامِ فطرت" کائنات اور انسان سے متعلق دو نقطہ ہائے نظر' دو نظریہ ہائے حیات کے تصادم کی داستان ہے۔ ایک طرف روشن خیالی' آزاد فکر' تسخیرِ کائنات کا عزم' انسان کا شرف اور بالادستی ___ اور سائنس ہیں' اور دوسری طرف جہالت' ذہنی غلامی' احساس کم مائیگی' اور ایک مقتدر مطلق ہستی (یا ہستیوں) کے آگے سپر اندازی ___ یعنی مذہب۔ یہ ہے ہولباخ کی اسکیم۔ اور فطری طور پر وہ اس "حق و باطل" کی جنگ میں آپ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اپنا سارا وزن اور حمایت خیر کی قوتوں کے حق میں استعمال کریں' تاکہ بدی کی قوتوں کا قلع قمع کیا جاسکے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ

آپ صحیح ' عاقلانہ اور مادی طرزِ فکر اپنائیں ۔ غلط (اور ضرر رساں) فکر ' غلط اور بے بنیاد عقائد سے پیدا ہوتی اور انھی کی گود میں پروان چڑھتی ہے ' جو یہ ہیں: خدا پر ایمان ' روحانی قوتوں پر عقیدہ ' (جب کہ خدا اور روح محض الفاظ ہیں ' جن کی کوئی تعبیر نہیں) ' انسان میں کسی طرح کے الوہی عنصر ' یا ماورائے مادہ کسی روحانی جوہر کی جستجو ' یہ خیال کہ انسان اپنے ارادے اور اعمال میں خود مختار ہے (آزادی ارادہ پر ایمان) ' اور اس بات سے انکار کہ انسان بھی فطری قوتوں کا اسی طرح محکوم و اسیر ہے ' جس طرح نباتات وجمادات یا دوسرے حیوانات ' یا یہ کہ انسان ""اشرف المخلوقات"" یا اللہ کی بنائی ہوئی کوئی خاص تخلیق ہے ' یہ عقیدہ کہ مشاہدے ' تجربے اور عقل کے علاوہ بھی علم کے دوسرے ذرائع ہو سکتے ہیں (وحی ' الہام ' وجدان وغیرہ) ' سماج اور اخلاقیات کے شعبے میں مسرت ' لذت ' ضرورت و احتیاج کی تسکین وتکمیل اور افادے (utility) سے ماورا بھی کوئی اصول ہو سکتے ہیں ' دائمی اور ناقابل تغیر اقدار پر یقین ۔

ہولباخ دعویٰ کرتا ہے کہ انسان خوشی سے صرف اس لیے محروم ہے کہ وہ علمِ فطرت سے ناآشنا ہے ۔ اس کی جہالت اور توہمات نے اسے اس طرح اسیر کر رکھا ہے کہ اپنی محرومیوں اور بد قسمتی کا حل طبیعیات کی بجائے مابعد الطبیعیات ' اور فطرت کی بجائے مافوق الفطرت میں تلاش کرنے میں لگ گیا ہے ۔ حقائق کو گرفت میں لینے کی بجائے سراب اور چھلاووں کے پیچھے دوڑ رہا ہے ۔ اپنی زندگی کو سنوارنے کی بجائے عاقبت کی خیالی زندگی بنانے کے سودائے خام کا شکار ہے ۔ مگر یہ جہالت اور تاریکی خود بخود نہیں پیدا ہو گئے ۔ یہ پیداوار ہیں فوق الفطرت مزعومات و عقائد کی ' اور ان کا مداوا صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ فلسفہ ' مابعد الطبیعیات اور مذہب کے خلاف ایک جہاد شروع کیا جائے ' تاکہ انسانی سائنسی فکر اور مادی تحقیق و جستجو کے ذریعے بدی اور استحصال کی قوتوں کو زیر کر سکے ' اور حصول مسرت میں کامیاب ہو ۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ فطرت ہے کیا؟ ""کائنات ' اپنے تمام موجودات کے ساتھ مادے اور حرکت (بعد کے فطریئین نے حرکت کی جگہ توانائی کا لفظ استعمال کیا ' اور پھر بعد والوں نے دونوں کو ایک ہی قرار دے دیا) کے علاوہ کوئی اور چیز ہمارے سامنے پیش نہیں کرتی ۔ کائنات میں علت و معلول کا ایک عظیم الشان اور لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے ' اور اس کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا ۔ ان میں سے بعض علتوں کو تو ہم پہچان لیتے ہیں ' کیوں کہ وہ براہ راست ہمارے حواس پر اثرانداز ہوتی ہیں ' مگر جن کو ہم پہچان نہیں پاتے ' کہ ان کے اثرات راست نہیں ' بلکہ بالواسطہ ہوتے ہیں ۔ گویا یہ ایک ""علت بعید"" ہوتی ہے ۔ لیکن چوں کہ ہمیں ان مظاہر اور واقعات کا سبب معلوم نہیں ہوتا ' اس لیے ان

میں ہم کسی فوق الفطرت ہستی (خدا) کا دست کارفرما دیکھتے ہیں۔ گویا فرق عادات' معجزات وغیرہ جن کا مذہبوں میں چرچا ہے' کوئی چیز نہیں' کیوں کہ قوانین فطرت اٹل اور ناقابل تبدیلی ہیں۔ ہر واقعے اور حادثے کی قوانین فطرت کے مطابق سائنسی تفہیم ہو سکتی ہے' بشرطے کہ ہمیں ان قوانین کا پورا پورا علم ہو۔ "اتفاق" کوئی چیز نہیں کیوں کہ کائنات کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ اور بڑے سے بڑا ستارہ سب قوانین طبیعی کے تحت کام کر رہے ہیں۔ گویا فطرت اپنے وسیع تر مفہوم میں ایک عظیم کُل ہے' جو مختلف اقسام کے مواد' ان کے مختلف مرکبات' مختلف حرکات و اہتزازات سے ترکیب پاتی ہے۔ اسی کو ہم کائنات کہتے ہیں۔ کائنات (اپنی تمام حرکات اور تغیر کے باوصف) چوں کہ مادی الاصل ہے' اس لیے اس کی تشکیل میں اور اس میں وقوع پذیر تغیرات میں' کسی فوق الفطرت قوت کی کارفرمائی تلاش کرنا عبث اور خام خیالی کی بات ہے۔ ہولباخ نے ایک دَور دائمی (eternal circle) کا نظریہ پیش کیا' جس کے مطابق "وجود" کا مجموعہ ہمیشہ یکساں رہتا ہے' اگرچہ اس کے اجزا میں ہمیشہ تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔

مادیت اور انسان

ہولباخ کے خیال میں چوں کہ انسان بھی مادی الاصل ہے' اور اسی فطرت کا ایک جزو ہے جس سے کائنات تشکیل پاتی ہے' اس لیے اس پر کسی طرح بھی کوئی مخصوص اور نئے قوانین و احکام کا اطلاق نہیں ہوتا۔ انسان بھی لازماً انھی قوانین میں جکڑا ہوا ہے' جو پوری (مادی) کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اس طرح نہ صرف انسان کے لیے کسی خصوصی خلقی رتبے (درجہ روحانیت پر فائز ہونا' بقا) سے انکار کیا گیا' بلکہ اسے بھی محض ایک وہم قرار دیا گیا کہ انسان اپنے ارادے میں آزاد ہے۔ انسان مختار نہیں' بلکہ کائنات کی اور دوسری اشیا کی طرح مجبور محض ہے: حریت ارادہ محض ایک فریب نظر ہے۔

ڈیکارٹ نے انسان کی فطرت میں ثنویت کا اقرار کیا تھا' یعنی یہ کہ وہ مادے اور روح کا مرکب ہے' ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہولباخ اس سے انکار کرتا ہے۔ انسان چونکہ کلیتاً مادی الاصل ہے' اس لیے اس کی فکر' ارادہ' احساس کی کیفیات' اس کی محبت و نفرت' پسند و ناپسند' اس کے عزائم اور خوف' گویا اس کی کُل زندگی مادی مظاہر ہی سے صورت گر ہوتی ہے۔ اسے اپنے بے ثبات وجود کو تسلیم کر لینا چاہیے: وہ فطرت کی مادی قوتوں اور طبعی قوانین کی کارفرمائی سے ظہور پذیر ہوا ہے' اور انھی کے زیر اثر وہ فنا ہو جائے گا۔ کائنات میں انسان کا کوئی خاص مقام نہیں' نہ وہ خلیفۃ اللہ ہے' اور نہ فطرت کا کوئی نایاب گوہر شب تاب' بلکہ دوسرے حیوانات کی طرح محض ایک حیوان ہی ہے' بس اپنی عقل اور جسمانی ساخت (جو خود بھی طبعی قوانین کی پیداوار ہیں) کی بنا پر دوسرے حیوانات سے زیادہ ترقی یافتہ بن گیا ہے۔ عقل و فہم بھی دماغ ہی کے افعال و وظائف ہیں' ان سے ماورا کوئی چیز نہیں۔ اور

جیسا کہ سبھی جانتے ہیں 'کمیت رکھنے 'جگہ گھیرنے والا ایک مادی جسم ہے ۔اس طرح عقل 'احساسات اور جذبات بھی مادی الاصل ہیں ۔انسان کا مزاج 'کردار اور افعال بھی اس کی طبعی ساخت ہی کے مظاہر ہیں ۔اس کی وراثت اور ماحول و تربیت اسے وہ کچھ بنا دیتے ہیں 'جو کہ وہ بن جاتا ہے ۔دوسرے الفاظ میں یہاں بھی کسی بخت و اتفاق کی گنجائش نہیں ۔ ہر انسان (اور معاشرہ) اپنے ارث اور ماحول کی پیداوار ہوتا ہے ۔

جہاں تک انسانی اخلاق کا تعلق ہے 'مذہب اور روحانیت انسان کی تعمیر اور تشکیل اخلاق کے لیے جو منصوبہ بندی کرتے ہیں 'ان کے نتائج غیر حتمی ہی ہوتے ہیں ۔ لیکن اگر ہم سائنسی (یعنی مادی 'میکانی) بنیادوں پر انسانی کردار کی تشکیل و تعمیر کریں تو نتائج یقینی ہوں گے ۔کیوں کہ ایک عضویے (organism) کی حیثیت سے انسان بھی ایک مشین ہی ہے 'اگرچہ زیادہ پے چیدہ اور عسیر الفہم ۔تاہم سائنس کی بڑھتی ہوئی فتوحات کی روشنی میں یہ ناممکن نہیں کہ ایک دن ہم انسان 'اس کے ذہن (یعنی دماغ کی فعلیت) کو پوری طرح سمجھ لیں گے 'اور ہمیں پتہ چل جائے گا کہ اس میں طبعی اور کیمیادی تبدیلیوں کے ذریعے اس کے کردار کی تشکیل نو کیوں کر کی جا سکتی ہے ۔بہرحال 'اخلاقی طور پر نیک اعمال وہ ہیں 'جو ہماری بقا اور مسرت کا باعث ہوں ۔جس کام سے فائدہ ہوتا ہو 'وہ اچھا کام ہے (معیار اخلاق: افادیت) ۔نیکی یا اخلاقی خوبی (virtue) وہ ہے 'جس سے معاشرے میں رہنے والے انسانوں کو مستقل فائدہ پہنچے ۔ہم سب مسرت و لذت ہی کے رسیا ہیں 'اور ان سے بالا کوئی شئے نہیں 'جسے ہم معروض طلب کہہ سکیں 'یا جس کی خواہش کی جائے ۔انھی مقاصد کے حصول کی ذہنی استعداد کو ہم عقل کہتے ہیں ۔عقل اگر ہمیں بعض فوری خواہشوں کی تکمیل سے روکتی ہے 'تو اس کی بات محض اس لیے قابل قبول ہے کہ اسے مان لینے سے مستقبل کی عظیم تر مسرتوں اور لذتوں کا راستہ کھلتا ہے 'ورنہ عقل فی نفسہٖ کوئی قابلِ قدر شئے نہیں ۔ آگے چل کر یہی نقطۂ نظر عقل کی "آلاتیت" (instrumentalism) کا باقاعدہ نظریہ بن گیا ۔

ہم نے ہولباخ کے مادی 'سائنسی نظریے کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ آیندہ ڈھائی سو سال کا غالب سائنسی 'تہذیبی اور سماجی موسم اسی کے رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے ۔انیسویں صدی کے اواخر اور پوری بیسویں صدی کی تہذیب و ثقافت 'جنگ و صلح 'سیاست و حکومت 'پیداوار و صرف 'تقسیم دولت اور معیشت 'فن و ادب 'کھیل اور مشاغل فرصت 'لذت کوشی اور فوری مسرت کی طلب 'سب کے سب منطقی طور پر اسی فکر کے مظاہر ہیں 'جنھیں بعد میں ڈارون (۱۸۰۹-۸۲) نے حیاتیات کے میدان میں (حیوانات میں انواع کا ارتقا 'جہد للبقا اور بقائے اصلح کے اصول کے تحت) '

ہربرٹ اسپنسر (۱۹۰۳-۱۸۲۰) نے نفسیات ' عمرانیات ' اخلاقیات ' سماجیات اور تعلیم کے میدان میں ' کارل مارکس (۱۸۱۸-۸۲) نے سیاسیات و معاشیات کے میدان میں (مادی جدلیت ' معاشرے کے ارتقا کی معیشتی بنیادیں) ' اور جان ڈیوی (۱۸۵۹-۱۹۵۲) نے تعلیم و سماجیات کے میدان میں (سائنس اور سماجی اقدار کا تعلق ' آلاتیت) وسعت دی۔

سائنس اور انسان

یورپ میں کلیسا اور "روشن خیالی" "آزاد رو" فلسفیوں اور سائنس دانوں کے عہد میں اپنے اور بہت سے نام آتے ہیں ' جن کا مطالعہ دلچسپ ہو گا۔ ان میں نیوٹن ' فرانسس بیکن ' ہابس ' پاسکل ' والیٹر ' ہیوم اور بہت سے لوگ شامل ہیں۔ آزاد خیالی اور ترقی پسندی کے اس عہد میں مذہب کی مخالفت ' مافوق الفطرت کا انکار "روحانی تجربات" کی تردید سکہ ہائے رائج الوقت بن گئے۔ عمومی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مادہ اور حرکت (بعد میں توانائی) اور ان کے مظاہر ہی تمام موجودات و حقائق کی بنیاد ہیں۔ لا موجود الا اللہ سے لا موجود الا المادہ کی طرف سفر ایک نازک نکتہ تھا ' جسے عبور کر لیا گیا۔ یہ مان لیا گیا کہ فطرت اور خود وجود انسانی کے تمام مظاہر ' آثار اور تبدیلیوں کی فطری اور طبعی انداز سے تفہیم کی جا سکتی ہے ' تو دُور از کار "بعید از قیاس" عناصر کو داخل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ واقعات و حوادث اور موجودات کی تفہیم میں ولیم آکم کا اصول ہی برتا جائے (یعنی ضرورت سے زیادہ عوامل کو بیچ میں لانے کی کیا ضرورت ہے ' جب کوئی مسئلہ عقدہ بغیر ان کے بھی حل کیا جا سکتا ہو؟)۔ تجربیت (جو چیز محسوسات و تجربات کی زد میں آئے وہی حقیقی ہے) ' جبریت (انسان ' کائنات اور کل فطرت ' متعین طبعی قوانین کے ہاتھوں مجبور محض ہے ' اور ان سے سرتابی کی مجال کسی کو نہیں) ' عقل پر کلی اعتماد اور انحصار کہ یہی آخر کار ہر تنازعے میں قاضی مطلق ہے ' اور امامت و ہدایت کی سند اور بھی ' روایت ' وجدان اور الہام کی تردید ' نفس انسانی کی حرکیات کی تفہیم میں لذت و مسرت کا فائق قانون ' اخلاقیات کی قلم رو میں حصول لذت و افادے کا اصول (وہی کام اچھا ہے ' جس میں مسرت ' لذت یا فائدہ ہو) ' اور ان سب کے نتیجے میں خدا کو کائنات (یا ہماری دنیا) کے عرش سے اتار کر اس پر انسان کو فائز کر دینا ۔۔ "جمہوریت" یا سلطانی جمہور ۔۔ یہ سب وہ نشانات منزل ہیں ' جن کی مدد سے ہم "عہد جدید" میں پہنچے ہیں۔

سائنس اور آزاد خیالی کے اس دور میں مغرب کے سیکولر (لامذہب) دانش وروں کی تگ و دو اور کاوشیں جتنی اخلاص کے ساتھ حقیقت تک پہنچنے کے لیے تھیں ' اتنی مذہب کو غیر معتبر اور خرد دشمن ثابت کرنے کے لیے بھی تھیں۔ کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ مذہب تلاش حق و حقیقت میں مزاحم ہو؛

ہے' اس لیے کہ وہ جھوٹا ہے' دروغ بافی اور جہالت کو فروغ دیتا ہے' اور انسان کی ترقی اور فلاح کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ نقطہ نظر اہلِ دانش کی کاوشوں (سنجیدہ علمی' فلسفیانہ' سائنسی تحریروں' افسانوں' ناولوں' ڈراموں اور شاعری) سے اس طرح پروان چڑھا کہ عمومی طور پر مغربی ذہن اور سائیکی کا حصہ بن گیا' اور اٹھارویں صدی کے بعد شروع ہونے والی مغرب کی نوآبادیاتی فتوحات کے بعد اس کے زیر تسلط تقریباً سارے عالم پر محیط ہو گیا۔

سائنس اور آزاد خیالی کی اس یلغار کے نتیجے میں جو مذہب باقی بچا' اس نے اپنے دعووں اور اپنے عمل دخل کو بڑی حد تک محدود' مذہبی رسوم' عبادات اور ان عقائد تک محدود کر لیا جو سائنس' مشاہدے اور تجربے سے براہ راست متصادم نہیں تھے۔ اہل کلیسا میں سے بہت سوں نے بعد میں اعتراف کر لیا کہ مذہب اور مذہبی مزعومات پر اہل سائنس و دانش کے حملے اپنا جواز رکھتے تھے۔ اس سب کے نتیجے میں یورپی معاشرہ بلکہ عالمی کلچر گزشتہ دو سو سال میں الحاد اور لامذہبیت کے ایک ایسے عمل سے گزر رہا ہے' جس نے مذہب کو میدان سے بالکل ہٹا دیا ہے' یا اسے معطل کر کے عملاً غیر موثر اور خارج از بحث بنا دیا ہے۔

حواشی

۱۔ Bryan Appleyard. Understanding the Present.

۲۔ دیکھیے' پال ڈے ویلس God and the New Physics' ۱۹۸۳' ص ۱۱

چوہدری لعل دین سلیم مرحوم

(کفالت سکیم)

جماعت اسلامی کے دیرینہ ساتھی اور بزرگ رکن سابق قیم و نائب امیر جماعت اسلامی صوبہ پنجاب چوہدری لعل دین سلیم طویل علالت کے بعد ماہ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ میں وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم زندگی بھر دین کی خدمت میں مصروف رہے، نہ دولت کمائی نہ جائیداد بنائی۔ پسماندگان میں بیوہ اور چھوٹے بچے ہیں جو زیر تعلیم ہیں۔

ان کے خاندان کی کفالت کے لئے ایک سکیم شروع کی گئی ہے۔ آپ بھی اس میں حصہ ڈالیں۔ جمع ہونے والی رقوم جائز سرمایہ کاری میں لگا دی جائیں گی تاکہ خاندان کی باعزت اور مستقل کفالت کا بندوبست ہو سکے۔ عطیات صوبائی ناظم مالیات سید مراد علی شاہ صاحب کے نام ارسال کریں۔

آگے بڑھ کر اس میں حصہ لیجیے یقیناً اللہ آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔

حافظ محمد ادریس (امیر جماعت اسلامی صوبہ پنجاب)

چین کا بے روح معاشرہ

مادیت کے سیلاب اور اخلاقی بحران کی زد میں

مسلم سجاد

۱۴ فروری ۱۹۹۵ کو، چین میں پیدا ہونے والے ایک بچے کو، جو اس دن پیدا ہونے والے ۵۷ ہزار ۵ سو بچوں میں سے ایک تھا، ملک کا ایک ارب ۲۰ کروڑ ایک نمبر کا شہری قرار دیا گیا۔ ہمارے بالکل پڑوس میں ہماری آنکھوں کے سامنے 'انسانوں کا یہ سمندر' دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ گزشتہ چالیس سال میں 'تاریخی تبدیلیوں سے گزرا ہے۔ اور آج پھر تبدیلی کے عمل سے دوچار ہے۔ ۳ ہزار سال تک چینی معاشرہ کو اساس فراہم کرنے والی کنفیوشس کی تعلیمات کو مارکسزم نے زیر و زبر کر دیا۔ ماؤ کی قیادت میں ۵۰ کے عشرے میں سوشلسٹ معاشرہ تشکیل دیا گیا۔ کمیون قائم کیے گئے۔ پروپیگنڈہ کے طوفان اٹھا کر، کروڑوں انسانوں کی زندگی کو ایک رخ دے دیا گیا۔ جبر اور ظلم و ستم کے ذریعے کمیونسٹ پارٹی کا اقتدار قائم و دائم ہوا۔ ۱۹۶۶-۷۶ء میں معاشرہ کو ثقافتی انقلاب سے گزارا گیا۔ ریڈ گارڈز نے خوب لوٹ مار کی۔ وہ وقت تھا کہ ماؤ کا جادو سر پر چڑھ کر بولتا تھا۔ پھر نئی قیادت آئی۔ ڈینگ ژیاؤپنگ نے اقتدار کلی حاصل کر کے 'معاشی اصلاحات کیں' آزاد معیشت کے رواج نے معاشرہ کے ایک طبقہ خصوصاً پارٹی عہدیداروں کو دولت مند بنایا۔

اب ایک منظر اقتدار کی رسہ کشی کا ہے۔ ڈینگ زندگی کے آخری مراحل میں ہیں۔ '۸۰-۹۰ سالہ بوڑھی قیادت کے مقابلے میں ۷۰-۸۰' سالہ 'جوان قیادت' کو آگے آنا ہے۔ موجودہ صدر چیانگ زیمن نے گزشتہ سال فوج میں ۱۹ افسروں کو جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر اپنی پوزیشن مضبوط کی ہے۔ حال ہی میں ڈینگ کے ایک دوست بڑے سرمایہ دار کے خلاف کرپشن کے الزام میں کارروائی کر کے بھی دنیا کو کچھ بتایا گیا ہے۔ دوسرے امیدوار بھی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مغربی ممالک کے ماہرین اور

تجزیہ نگار بھی اندازے لگا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک بہت بڑی مارکیٹ ہونے کے علاوہ چین کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ مسلم ممالک کے ساتھ مل کر ان کی تہذیبی غلبہ کے لیے حقیقی خطرہ بن سکتا ہے۔

دوسرا منظر چینی معاشرہ کا ہے۔ ڈینگ کے دور میں آنے والی تبدیلیوں نے زندگی کو ہر سطح پر متاثر کیا ہے۔ آزاد معیشت اور چھوٹی زمینداری نے بہت سے رستے کھولے۔ مغربی سرمایہ کاروں کی للچائی ہوئی نظریں بھی پڑنے لگیں۔ کوکاکولا کے مشروب اور میکڈانلڈ کے برگر چینیوں تک بھی پہنچے۔ بڑی بڑی کمپنیوں نے معاہدے کیے۔ ۱۹۹۰ میں ۴ء ۳ بلین ڈالر کی بلاواسطہ بیرونی سرمایہ کاری ۱۹۹۴ میں ۳ء ۳۰ بلین ڈالر تک پہنچ گئی۔ کچھ مستقبل بین افراد کی نظر میں جس طرح ۱۹ویں صدی امریکی معیشت کے عروج کی صدی تھی، اسی طرح ۲۱ویں صدی چینی معیشت کی صدی ہونے کے امکانات ہیں۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں جمہوری رجحانات بھی در آئے اور پارٹی آمریت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک کوشش ۱۹۸۹ میں تیانامن اسکوائر میں انتہائی سنگدلی سے کچل دی گئی۔

گزشتہ سال وانگ شان کی کتاب Viewing China Through a Third Eye میں چینی قیادت کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اس پر پابندی لگ گئی۔ پھر بھی خوب پڑھی گئی۔ اب اس ہی نے Viewing China Through a Fourth Eye لکھی ہے۔ جس میں اس نے بتایا ہے کہ ڈینگ کے بعد بھی برسر اقتدار رہنے کے لیے پارٹی کو کیا کچھ کرنا چاہیے۔ ۱۵ سال کی معاشی ترقی نے نئے طبقات پیدا کر دیے ہیں۔ سب کے اپنے مفادات ہیں لیکن سب کے لیے پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا ایک ہی فورم ہے۔ یہی چینی جمہوریت ہے۔ یہاں دوسری پارٹیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ عوام افراط زر اور جرائم اور کرپشن سے عاجز ہیں۔ کسی وقت بھی دوسرا تیانامن سکوائر ہو سکتا ہے۔ پارٹی کو اس کی فکر کرنا چاہیے۔ مصنف کا خیال ہے کہ مارکسزم لینزم اور ماؤازم چینی قومیت سے 'عوام کی آمریت نسبتاً قانون پسند معاشرے سے' اور سوشلزم 'کچھ لوگ دولت کمالیں پھر عوام کو خوشحال کریں' کے تصور سے تبدیل ہو جائے گا۔ لیکن پارٹی کی قیادت کے تحفظ کا اصل الاصول اسی طرح رہے گا۔

اخلاقی بحران

چینی معاشرہ اب الگ تھلگ معاشرہ نہیں ہے مستقبل کی دنیا میں اس کی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ اس لیے بجا طور پر مشاہدہ اور غور و فکر کا موضوع ہے۔ ایشیا ویک (۷ فروری) نے سرورق کی کہانی China's Crisis of Morals پر دی ہے۔ اس نے یہ سات گناہ کبیرہ (deadly sins) گنوائے ہیں (۱۔ کرپشن ۲۔ زناکاری ۳۔ جوا ۴۔ منشیات ۵۔ خود غرضی ۶۔ بزرگوں کا عدم احترام ۷۔ عوام کی بے حسی اور بداعتمادی) جنھوں نے چین کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

ایک وقت تھا کہ چینی معاشرہ کی اخلاقی صفات کے گن گائے جاتے تھے (حال ہی میں ماؤ کے ذاتی معالج نے ایک کتاب میں ماؤ کی جنسی زندگی کے بارے میں ناقابل اشاعت مستند معلومات فراہم کی ہیں)۔ لیکن اب تو پورا معاشرہ اخلاقی بحران کی زد میں ہے۔ اصلاحات نے آزادی تو دی لیکن کوئی اخلاقی لنگر نہ تھا اس لیے جسے جو موقع ملا اس نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ سب سے زیادہ مورد الزام تو پارٹی کے عہدیدار ہیں جنھوں نے خوب مال بنایا ہے۔ ایک جائزے کے مطابق افسران کی سیر و تفریح پر ۹۰ بلین ڈالر خرچ ہو جاتے ہیں جو کل تعلیمی بجٹ کا دگنا ہے۔ کرپشن رگ رگ میں داخل ہو گیا ہے اور اسے مٹانے کی سب تدبیریں الٹ جاتی ہیں۔

جرائم میں اضافہ کی رفتار غیر معمولی ہے۔ نشہ کے عادی افراد کی تعداد گزشتہ ۴ سال میں ۷۰ ہزار سے بڑھ کر ڈھائی لاکھ ہو گئی ہے۔ ایڈز میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق تین لاکھ طوائفیں اپنا کاروبار چلا رہی ہیں۔ ہانگ کانگ کے قریب شہر شن زین کو ایک بیرونی فلم پروڈیوسر نے ۱۹۲۰ کے شنگھائی کے مثل قرار دیا جو اخلاقی باختگی میں ضرب المثل تھا۔ کسی بھی خوشحال صوبہ میں (گوان ڈانگ یا شی مانگ) شاہراہوں پر درجنوں ہوٹلوں اور ہیئر ڈریسر سیلونوں پر لڑکیاں دعوت گناہ دیتی دیکھی جا سکتی ہیں۔ صوبہ شان ڈانگ کے صدر مقام جنان سے کنفیوشس کی جائے پیدائش کو جانے تک ۱۲۰ کلو میٹر فاصلہ کے دونوں طرف اسی طرح کے ہوٹل پائے جاتے ہیں۔ گزشتہ ۳ ماہ میں بیجنگ میں ۲'۲ ہزار گنجائش کے تین نائٹ کلب کھل گئے ہیں جہاں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو کسی مغربی نائٹ کلب میں ہوتا ہے۔ شاید ماؤ کے پیش نظر یہ ثقافتی انقلاب نہ تھا۔

آبادی میں اضافہ

چین کا ایک مسئلہ اضافہ آبادی کا بنا دیا گیا ہے جس نے چینی عوام کی زندگیوں میں زہر گھول دیا ہے۔ یہ تسلیم شدہ ہے کہ اگر حکومتیں پہنچانے کے انتظامات کر سکیں تو دنیا کے کاشتکار موجودہ آبادی سے دگنی کے لیے بھی غذا فراہم کر سکتے ہیں۔ چین تو خود اس کی مثال ہے کہ دنیا کے ۷ فی صد قابل زراعت رقبہ پر کاشت سے دنیا کی آبادی کے پانچویں حصہ کو غذا فراہم کرتا ہے لیکن انتہائی سختی کے ساتھ جس کا چینی معاشرہ میں تصور کیا جا سکتا ہے ایک خاندان کے لیے صرف ایک بچے کی اجازت دی گئی ہے۔ دوسرا پیدا کرنا جرم ہے اور اس پر جرمانہ اور سزائیں ہیں۔ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ کسی ماں کو ساری تدابیر کے باوجود دوسرا حمل ٹھہر جائے تو اسے لازماً جبراً اسقاط کروانا ہوتا ہے۔ دیہی علاقوں میں تو کچھ بچاؤ ہو جاتا ہے لیکن شہروں میں ممکن نہیں ہوتا ہے۔ گزشتہ برس ایک مصنف نے ایک دائی کے بیان کردہ واقعات پر مبنی ایک کتاب شائع کی ہے جس میں رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات ہیں۔

مائیں اپنے بچوں کو بچانا چاہتی ہیں اور حکومت اور پارٹی کے کارندے ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں یا سزا سے بچنے کے لیے وہ انتہائی مخدوش حالات میں اسقاط کرواتی ہیں اور جان سے بھی گزر جاتی ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب ایک ہی کی اجازت ہے تو ہر خاندان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ لڑکا ہو۔اب سونوگرام کے ذریعے یہ معلوم کرنا ممکن ہے کہ رحم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی' اس لیے لڑکے کے انتظار میں لڑکیوں کا اسقاط کروایا جاتا ہے اور پیدا ہو جائیں تو قتل بھی کی جاتی ہیں۔ان کی تعداد ہزاروں میں ہے ' اکا دکا واقعات نہیں ہیں۔

'منصوبہ بندی' کے اس پہلو کا اظہار بھارت اور کوریا میں بھی ہو رہا ہے۔ایشیا ویک (۳ مارچ) نے ایک تصویر (ص ۳۶) شائع کی ہے: 'راجھستان میں ننھی بچیوں کی قبریں جو اس کا ثبوت ہیں کہ زیادہ لڑکے حاصل کرنے کے لیے لڑکیاں قتل کی جاتی ہیں' لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد میں فطری تناسب' جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت قائم رہتا ہے' اس مداخلت سے بگڑ گیا ہے۔ایشیا ویک نے سرورق کی کہانی اس پر دی ہے کہ سب دلہنیں کہاں ہیں؟ فار ایسٹرن ریویو نے ایک کارٹون دیا کہ دولہا میاں آخری دلہن لیے خوش خوش جا رہے ہیں اور سیکڑوں چھڑے منہ لٹکائے کھڑے ہیں۔ اغوا اور عصمت دری میں اضافہ کی پیش گوئی بھی کی جا رہی ہے۔چین میں حکومت اور پارٹی کی گرفت نہایت سخت ہے۔اعلان شدہ پالیسی پر عمل کو ہمیں اپنے حالات پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔وہاں اس ہدایت نے ہر گھرانے کو جہنم بنا دیا ہے۔

کمیونسٹ پارٹی

کمیونسٹ پارٹی کو بھی مستقبل کی فکر ہے۔اس کے ۵۵ لاکھ ارکان ہیں۔ملک پر پارٹی کی گرفت پہلے کے مقابلے میں کمزور ہے۔جب ۱۹۷۹ میں ڈینگ نے معاشی اصلاحات کے ایک جزو کی حیثیت سے کمیون نظام ختم کیا تو اس نے عوام اور پارٹی کے درمیان ایک موثر رابطہ بھی ختم کر دیا۔ایک اندازہ کے مطابق ۱۹۹۳ تک دیہی علاقے کی ۶۰ فی صد شاخیں غیر فعال ہو گئی تھیں۔اصلاحات کے بعد ملازمت اور آمدن کے آزاد ذرائع تک عوام کی پہنچ ہو گئی اور پارٹی کی اہمیت کم ہو گئی۔اکتوبر ۹۴ میں پارٹی نے ایک چار روزہ اعلیٰ سطحی اجلاس میں آنے والے حالات کی پیش بندی کے لیے تدابیر پر غور کیا۔طے کیا کہ اگلے تین سال میں ۶۴ ہزار غیر فعال شاخوں کو فعال بنایا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل منتخب نوجوانوں کو تیار کر کے سامنے لایا جائے جو آیندہ صدی میں کمیونسٹوں کی قیادت کر سکیں۔ ۶۵ سال سے زائد عمر کے قائدین کو اعلیٰ مناصب پر فائز کرنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔

حکومت کی حکمتِ عملی

ماضی میں چین کی حکومت معاشرہ کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے بڑی بڑی پروپیگنڈہ مہمیں چلاتی تھی لیکن اب ان کے موثر اور نتیجہ خیز ہونے کے امکانات کم ہو گئے ہیں۔اب حکومت غیر اخلاقی اور مجرمانہ رجحانات کا مقابلہ کرنے کے لیے کمیونسٹ اخلاقیات کا سہارا نہیں لیتی بلکہ روایتی چینی اقدار' جذبۂ حُبِّ وطن حتی کہ مذہب سے بھی مدد لی جاتی ہے۔قوم کو اخلاقی اساس فراہم کرنے کے لیے کنفیوشس کی تعلیمات کو بھی آگے لایا جارہا ہے۔پارٹی بدھ مت اور عیسائیت کے اجتماعی کردار کو تسلیم کرتی ہے (اسلام کا تو طُرّۂ امتیاز ہی یہ ہے) لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کی تبلیغ سے مارکسی الحاد کی نفی ہوتی ہے۔چنانچہ اصل زور جذبۂ حبِ وطن پر ہے۔اسکولوں کی درسی کتب اس طرح لکھوائی جارہی ہیں کہ قومی ہیروز کا ذکر انھیں کتاب سے ملے۔جذبہ حبِ وطن بھی پرورش پائے اور اخلاقی نمونہ بھی سامنے آئے۔اتنے بڑے ملک میں' اتنے پھیلے ہوئے معاشرے کے مختلف حصوں میں اساتذہ اپنے طور پر بھی تربیت کی متنوع تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

مذہبی رجحان میں اضافہ

لیکن اس کے باوجود' زندگیوں میں ایک خلا ہے۔انسان کی فطرت کی طرف پکار کا جواب مذہب ہی دے سکتا ہے۔مذہب کو افیون قرار دے کر' اور اس سے بے تعلق کر کے چین کے قائدین نے اپنے عوام کو بہت دکھ میں ڈالا ہے۔ ۱۹۷۰ کے بعد کی نرم پالیسی سے مذہب کی طرف رجوع کے رجحانات میں اضافہ ہوا ہے۔ایک سروے کے مطابق ۸۲ فی صد چینی زندگی میں مذہب کی اہمیت محسوس کرتے ہیں۔یہ سوشلسٹ حکومت کی ۴۰ سال کی مسلسل مذہب دشمن کوششوں کے باوجود ہے۔

بدھ مندر گوانجی کے باہر سڑکوں پر ایسی گہما گہمی ہوتی ہے جیسے بیجنگ کی کوئی مرکزی شاہراہ ہو۔ صرف بیجنگ میں ۱۰۰ مندر بحال ہو گئے ہیں اور دیگر ۴۰۰ بدھ انجمنوں کے حوالے کر دیے گئے ہیں۔ عیسائی آبادی ایک کروڑ بتائی جاتی ہے۔ایک پادری کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۵ میں ۸۰ فی صد بوڑھے گرجا آتے تھے' اب ۸۰ فی صد نوجوان آتے ہیں' عام آدمیوں کے ساتھ ساتھ دانشور بھی مذہب کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔مقامی مذہب DAOISM بھی قبولیت حاصل کر رہا ہے۔بدھ مت' عیسائیت' اسلام سب غیر ملکی مذہب سمجھے جاتے ہیں۔ہر ایک کو چین کے خصوصی حالات کا لحاظ رکھنا ہو گا۔مقامی عیسائی غیر ملکی عیسائی مبلغوں کی آمد کو ناپسند کرتے ہیں۔ایک رائے کے مطابق مذہب چین میں غالب آسکتا ہے' لیکن آہستہ آہستہ اور چینی خصوصیات کے ساتھ۔

ہماری ذمہ داری

آیندہ صدی کس کی ہو گی ۔۔۔کس تہذیب کو غلبہ حاصل ہو گا۔بحث جاری ہے اور میدان میں کشمکش بھی ۔ آنے والی صدی دستک دے رہی ہے جو تیسرے ہزار سال کا نقطہ آغاز ہو گا۔ مغربی تہذیب کے علمبردار اسلامی احیا کے امکانات سے خوف زدہ ہیں اور اسے دبانے کے لیے ہر تدبیر اختیار کر رہے ہیں ۔اس میں انھیں اپنے اصول ' اپنی اقدار ' کسی کا لحاظ نہیں ہے ۔ دنیا کے نقشہ پر ' جہاں بھی آگ سلگ رہی ہے ' مسلمان ہی اس کا ایندھن ہیں ۔

ان حالات میں ' احیائے اسلام کے علم برداروں کو انسانیت کے پانچویں حصے کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے جہاں ایک ارب ۲ کروڑ انسان راہ حق کے متلاشی ہیں ۔ مغرب کے کاروباریوں کے منہ میں تو اتنی بڑی مارکیٹ دیکھ کر نفع کے لالچ سے پانی آ رہا ہے ' اسلام کے علم برداروں کے منہ میں دعوت کے اتنے امکانات دیکھ کر آئے تو کوئی مضائقہ نہیں ۔چین کے مسلمان بھی ذریعہ بن سکتے ہیں اور یقیناً وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہوں گے لیکن آج کے دور میں پیغام پہنچانے کے لیے ذاتی رابطہ ناگزیر نہیں ہے ۔ آخر مغرب کا پیغام ہمارے گھروں میں براہ راست پہنچ رہا ہے ۔ نئی صدی میں ابلاغی ٹکنالوجی معلوم نہیں کیا چھلانگیں لگانے والی ہے ۔ احیائے اسلام کے علم برداروں کو چین کے عام آدمی اور قائدین تک اسلام کا بے آمیز ' حقیقی ' دلوں میں گھر کرنے والا پیغام پہنچانے کی تدابیر پر عمل کرنا چاہیے ۔ان کے خالق کا بتایا ہوا راستہ ان کے سامنے تو لایا جائے ۔ یقیناً اب اللہ تعالیٰ اپنا کوئی نبی نہیں بھیجے گا ۔یہ فریضہ امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی ہے کہ ان تک وہ لائحہ عمل پہنچائے جو ان کے مسائل کو حل کر دے ' انھیں پریشانیوں سے نجات دے اور ان کے مردوں اور عورتوں کی زندگیوں کو سکون سے بھر دے ۔ دوست اور پڑوسی ہونے کے ناطے ہماری ذمہ داری زیادہ ہے ۔

نوٹ : چین کے بشمول تائیوان ۲۳ صوبے ہیں ۔تین شہروں بیجنگ ' شنگھائی اور تیان جن کو صوبائی درجہ حاصل ہے ۔پانچ خود مختار علاقے ہیں (تبت ' منگولیا ' زن زیانگ ' گو آنگ زی ' ننگ زیا) ۔ہانگ کانگ ۱۹۹۷ میں ' اور مکاؤ ۱۹۹۹ میں خصوصی انتظامی علاقے کی حیثیت سے شامل ہوں گے ۔ صوبے کاونٹی میں تقسیم ہیں ۔ سب سے زیادہ آبادی والا صوبہ سیچوان ۱۱ کروڑ ' ہنان ۹ کروڑ ' سن زنگ ۸۱/۲ کروڑ ' چانگ سو ۷ کروڑ ' گو آن ڈانگ ۶۱/۲ کروڑ)

حوالہ :

1- Newsweek, Jan 23, Feb 20, March 6, 1995

2- Asiaweek, Feb 17, March 3, 1995

3- Time, Nov 7, 1994

اسرائیل کا ایٹمی اسلحہ

عبدالغفار عزیز

ایک طرف ہر مسلمان ملک پر، حتیٰ کہ مصر جیسے یار و وفادار پر بھی، امریکہ کا زبردست دباؤ ہے کہ وہ ایٹمی اسلحہ نہ بنائے، دوسری طرف اسرائیل بے تحاشہ ایٹمی اسلحہ سے لیس ہوتا جارہا ہے۔ اسرائیل کی صلاحیت کا اندازہ "الدفاع العربی" نامی ایک عسکری رسالے کی ایک رپورٹ کے مطابق اس کی ایٹمی تنصیبات کی ان واضح، متنوع اور باریک بین تصاویر سے بخوبی کیا جاسکتا ہے جو گزشتہ پانچ برسوں کے دوران روس اور فرانس نے تیار کی ہیں۔ ان تصاویر کے مطابق یہ تنصیبات فلسطین کے درج ذیل علاقوں میں ہیں:

۱۔ صحرائے نقب میں واقع، دیمونا میں ایٹمی تنصیبات میں پلوٹونیم کی افزودگی کے علاوہ "اریحا ۲" نامی میزائل تیار کرنے کے پلانٹ اور "تل نوف" (Telnof) نامی ایٹم بم محفوظ کرنے کا ایک خفیہ گودام ہے۔ یہ بم کشش ثقل کے ذریعے استعمال کیے جاتے ہیں۔

۲۔ یہودی پہاڑیوں (Judean Hills) میں واقع "کفر زخاریا" کا علاقہ زیرِ زمین تعمیرات اور سرنگوں کی کھدائی کے لیے بے حد موزوں ہے۔ اس علاقے میں ۱۹۶۷ سے عسکری تعمیرات کا کام شروع ہے۔ پرانی تعمیرات صرف چار بڑی عمارتوں پر مشتمل تھیں جنھیں "اریحا ۱" نامی میزائلوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن اب ان عمارتوں کے جنوب کی طرف زیرِ زمین تنصیبات کا ایک جال ہے اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے دُور مار میزائلوں کے لیے پانچ پلیٹ فارم بھی۔ اس کے جنوب مشرق میں ایک جدید ترین عمارت ایسی بھی ہے جو ۹۰ کے عشرے کے آغاز میں مکمل ہوئی ہے اور وہاں "اریحا ۲" میزائل ذخیرہ کیے گئے ہیں۔

۳۔ "بیر یعقوب"، میں، جو زخاریا سے ۵ کلو میٹر شمال میں ہے، ایٹمی تنصیبات کو بے حد غیر معمولی حفاظتی تدابیر سے نظروں سے اوجھل اور محفوظ رکھنے کے اقدامات کیے گئے ہیں۔ "اریحا ۲" کے علاوہ یہاں زمین سے فضا میں مار کرنے والے ایرو (Arrow) نامی میزائل بھی تیار کیے جاتے ہیں جن کے

لیے خصوصی ٹکنالوجی اور سرمایہ امریکا نے فراہم کیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس علاقے کی ساری تنصیبات بھی زیر زمین ہیں اور یہاں صرف میزائل کی تیاری کا کام ہوتا ہے۔ ان میزائلوں کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کا کام یوڈیفیٹ (Yodefat) نامی کارخانے میں ہوتا ہے جو "ڈیکشن ۲" کے نام سے معروف ہے۔ رفائیل کمپنی کے اس کارخانے میں Popeye نامی میزائل بھی تیار ہوتے ہیں جو امریکا نے جنگ خلیج میں استعمال کیے تھے۔

اسرائیل کا اکثر اسٹریٹیجک اسلحہ یہودی پہاڑیوں کے دامن میں محفوظ کیا گیا ہے کیونکہ وہ علاقہ مقبوضہ فلسطین کے وسط میں واقع ہے اور وہاں تک پہنچنا کسی بھی عام فرد کے لیے آسان نہیں ہے۔ ان تصاویر کی مدد سے یہ اندازہ بھی کیا گیا ہے کہ اسرائیل کے پاس ۵۰ کی تعداد میں اریحا ۲ میزائل ہیں جن پر ایٹم بم نصب ہیں۔

اسرائیل نے اپنی ایٹمی تنصیبات کو اوجھل رکھنے کے لیے بہت سے غیر معمولی اقدامات کیے ہیں جن میں سب سے زیادہ زور گھنے درختوں کی افزایش پر دیا گیا ہے لیکن صحرائی علاقوں میں ضرورت اور معمول سے زیادہ درخت ہی خلائی سیاروں کی توجہ کا باعث بنے جن کی مدد سے زمین کے ایک ایک میٹر کی تصاویر بھی بے حد واضح بنائی جا سکتی ہیں۔

ادھر ایک برطانوی فیزیائی ماہر پروفیسر فرینک برنابی نے متعدد عسکری ماہرین ' سفارت کاروں اور دانشوروں کے سامنے ایک لیکچر میں اس بات پر اصرار کیا ہے کہ اسرائیل کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کی تعداد کسی صورت بھی ۲۰۰ سے کم نہیں ہے اور اسرائیل اپنا یہ اسلحہ جنگی جہازوں یا صحرائے نقب میں نصب اریحا میزائل کے ذریعے بآسانی استعمال کر سکتا ہے۔ اس نے مزید کہا کہ یہ اسلحہ دفاعی یا دشمن کو حملہ کرنے سے باز رکھنے کے لیے نہیں بلکہ جارحیت کرنے اور حملہ آور ہونے کے لیے ہے۔

یاسر عرفات! "حماس" کو جلدی کچلو

اسرائیلی سیکیورٹی فورسز کے اعلیٰ افسران اس بات پر اپنے اطمینان کا اظہار کر رہے ہیں کہ غزہ کے شمالی دروازے "ایرز" کے قریب ہونے والی رابین / عرفات ملاقات میں اسرائیلی وزیر اعظم نے عرفات پر بھرپور دباؤ ڈالا ہے کہ وہ اسرائیل مخالف تنظیموں کو کچل دے۔ عرفات سے کہا گیا ہے کہ: "ہمیں آپ سے مکمل امید ہے کہ آپ غزہ کے علاقے میں دہشت گردوں سے نمٹنے کے لیے سخت ' واضح اور موثر پالیسی اپنائیں گے اور صرف محدود جوابی کارروائیوں پر اکتفا نہیں کریں گے"۔

دوسری جانب حماس کے قائد شیخ احمد یاسین نے ' جو کئی سالوں سے کفار یونا جیل میں قید ہیں ' "قدس پریس" کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر عرفات کی پولیس یہودیوں کی خاطر حماس کے

خلاف کی جانے والی کارروائیوں سے باز آجائے تو حماس اور عرفات کے درمیان بقائے باہمی ممکن ہے کیونکہ ہمارا اصل دشمن اسرائیل ہے۔ انھوں نے کہا کہ عرفات کو اپنی پارٹی کی ڈکٹیٹرشپ قائم کرنے اور فلسطینی جانبازوں کی اسرائیل مخالف سرگرمیوں کو کچلنے سے باز آجانا چاہیے۔ شیخ احمد یاسین کا کہنا ہے کہ اگر عرفات اپنی اس پالیسی پر گامزن رہے تو ہم اسے اسرائیلی فوج ہی کا ایک بازو تصور کریں گے۔

صدر بل کلنٹن کی' امریکہ میں حماس کی مالی اور تنظیمی سرگرمیوں پر عائد کردہ پابندی پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ: امریکی صدر کے اس اعلان کا حماس کی مالی اعانت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا' کیونکہ ہم اپنے جہاد میں مسلم امت کے مالی وسائل پر انحصار کرتے ہیں اور مسلم امت امریکا سمیت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔

انھوں نے کہا کہ تحریک حماس فلاں یا فلاں صدر کی خواہشات کی پابند نہیں ہے۔ کلنٹن کی پابندیاں ہمیں اپنے فنڈ منتقل کرنے کے سلسلے میں کچھ تشویش میں تو مبتلا کر سکتی ہیں' لیکن ہمارا کام نہیں روک سکتیں۔ ہم اپنے لیے ہتھیار دشمن کے ہاتھوں سے اور اسلحہ خانوں سے چھین کر حاصل کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس جذبہ شہادت سے سرشار نوجوان ہیں۔ کوئی بھی ـــ اللہ کے حکم سے ـــ ہمارا جہاد نہیں روک سکتا۔

شیخ احمد یاسین نے ایک بار پھر یہ اسرائیلی پیشکش ٹھکرا دی کہ اگر وہ ۱۹۸۹ میں اغوا ہونے والے یہودی فوجی' ایلان سعدون کی لاش کا پتہ بتا دیں تو اسرائیل انھیں آزاد کر دے گا' وہ جس ملک میں جانا چاہیں گے وہاں بھیج دے گا' اور جہاں بھی جائیں گے وہاں انھیں تمام تر سہولیات بھی مہیا کرے گا۔ شیخ یاسین نے اس پیشکش کے جواب میں کہا ہے کہ مجھے سو سال تک بھی جیل میں رہنا پڑا تو رہ لوں گا لیکن نہ تو سرزمین فلسطین چھوڑوں گا اور نہ مشروط رہائی قبول کروں گا۔

آئیے کارِ مسیحائی کریں



الخدمت ویلفیئر سوسائٹی (رجسٹرڈ) نے پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے تعاون سے کراچی کے پسماندہ علاقے ضلع غربی میں اورنگی ٹاؤن، قصبہ، علیگڑھ کالونی، بنارس اور قرب و جوار میں رہائش پذیر دکھی لوگوں کے لئے جدید سہولیات سے آراستہ ۱۰۰ بستروں کے ہسپتال کا منصوبہ تشکیل دیا ہے، اس منصوبے کے تعمیراتی اخراجات کا تخمینہ دو کروڑ روپے ہے۔

الخدمت ہسپتال

بالمقابل اورنگی ٹاؤن تھانہ، اورنگی ٹاؤن کراچی

فون: 6668893 - 6668894 فیکس، 6652883

اپنے عطیات بنام الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ) اکاؤنٹ نمبر 6/6 مسلم کمرشل بینک خداداد کالونی برانچ میں جمع کروائیں

الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ)

عطیہ اشتہار۔ پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کراچی۔

قومی مسائل

انگریزی زبان اور ہماری تعلیمی پالیسی

مسلم سجاد

تعلیمی پالیسی کے سلسلے میں صوبہ پنجاب اور اب حال ہی میں صوبہ سندھ کے 'پہلی جماعت سے انگریزی زبان کی لازمی تدریس کے فیصلہ نے قومی سطح پر طبقاتی تعلیم کی سلگتی ہوئی کیفیت کی طرف توجہ مبذول کرا دی ہے۔ اس فیصلہ کے جواز میں معصومانہ انداز سے یہی کہا گیا ہے کہ "اس سے طبقاتی تعلیم کا خاتمہ ہو گا اور عام سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے نونہال بھی انگریزی میڈیم اور پبلک اسکولوں کے طلبہ سے برابری کا مقابلہ کر سکیں گے"۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں یہ ایک روایت بن گئی ہے کہ آئندہ نسلوں پر اثر انداز ہونے والے اہم قومی فیصلے ایک انتظامی حکم نامے سے نافذ کر دیے جاتے ہیں اور جمہوری اداروں میں کھلی بحث کے ذریعے اتفاق رائے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ چنانچہ اب ساری بحث فیصلہ ہو جانے کے بعد ہو رہی ہے۔

ایک غیر ملکی زبان کو یہ اہمیت دینا کہ ہمارے پانچ' پانچ سال کے بچے روزانہ چند گھنٹے اس کے لیے وقف کریں 'کوئی معمولی فیصلہ نہیں ہے۔ یہ فیصلہ محض کسی ایک صوبے کے محکمہ تعلیم سے متعلق نہیں ہے 'بلکہ پورے ملک کے حال اور مستقبل سے متعلق ہے۔ اس سے مستقبل کے رُخ کا تعین ہو رہا ہے۔ اس کے اثرات آنے والی نسلوں پر پڑیں گے۔ اگر ہماری تعلیم میں دلچسپی لینے والی بیرونی ایجنسیوں نے یہ فیصلہ ہمارے ذمہ داروں سے ہاتھ پکڑ کر نہیں کروایا ہے 'بلکہ آزاد مرضی اور خوشی سے کیا گیا ہے 'تو اس پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔

یہ فیصلہ کہنے کو تو ایک علیحدہ فیصلہ ہے 'لیکن دراصل تین مسائل سے مربوط ہے:

۱- قومی زبان کو سرکاری زبان بنانا'

۲- قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا'

۲- انگریزی کی لازمی تدریس کا اطمینان بخش انتظام کرنا۔
اس فیصلے کے مضمرات کو ان مسائل سے الگ کر کے نہیں سمجھا جاسکتا۔

پس منظر

آزادی حاصل کرنے کے ۴۸ ویں سال بھی ہم ان مسائل سے کیوں دوچار ہیں؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آزادی کی لڑائی مسلم عوام نے تو منزل کے واضح مقصد کے ساتھ دل و جان سے لڑی تھی ' لیکن ملک کی باگ ڈور جس گروہ کے ہاتھ میں آئی ' وہ اپنے سابقہ آقاؤں کا ذہنی غلام تھا۔ اسے مسلمان عوام کی آرزوؤں کا ادراک نہ تھا ' یا ان کی تکمیل کو وہ اپنے مفادات کے خلاف سمجھتا تھا۔

عوام اتنے شعور اور طاقت سے محروم تھے کہ حکمرانوں کو اپنی منزل کی طرف چلنے پر مجبور کر دیں ' یا ان کو بدل دیں۔ تعمیر نو کے لیے تعلیم اہم ترین شعبہ تھا ' لیکن یہ سب سے بڑھ کر کسمپرسی کا شکار رہا ہے۔ منزل کے شعور کے ساتھ تعلیمی حکمت عملی بنائی جاتی اور پُرعزم ارادوں سے اس پر عمل کیا جاتا ' تو دس پندرہ سال ہی میں ترقی اور خوشحالی ہمارے قدم چومتی ' اور اقوام عالم میں ہمارا اتنا نمایاں مقام ہوتا کہ ہماری مثال دی جاتی۔

اس حکمت عملی کا ایک بنیادی ستون ' قومی زبان کو اختیار کرنا تھا۔ اس کو اختیار کرنا تو آبادیاتی استعمار کی غلامی سے آزادی کا اعلان ہوتا ' اور ہم غلامی کے ورثے کو جھٹک کر آگے بڑھ سکتے تھے۔ اگر ہمیں اپنے تشخص کا شعور ہوتا تو ہم اس پر کوئی سمجھوتہ نہ کرتے۔ ۱۹۵۶ کے دستور کے بعد یہ قدم اٹھالیا جاتا ' تو ایک نئے دور کا آغاز ہو جاتا ' لیکن یہ نہ ہوا اور انگریزی کی بالادستی قائم رہی۔ ۱۹۷۳ کے دستور میں دفعہ ۲۵۱ کے تحت ۱۵ سال کی مدت دی گئی تھی ' کہ اردو کو سرکاری زبان کے طور پر اختیار کر لیا جائے گا۔ یہ مدت تیاری اور تبدیلی کے لیے کافی مدت تھی لیکن ۱۹۸۸ آیا اور گزر گیا ' کسی نے دستور کی اس شق کی خلاف ورزی کا نوٹس تک نہ لیا۔ ہمارے ملک کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ قومی دباؤ کے تحت دکھاوے کے لیے فیصلے کا اعلان تو کر دیں ' لیکن عملی اقدامات نہ کریں اور بات وہیں کی وہیں رہے۔

ملازمتوں ' دفتروں اور عدالتوں کی زبان انگریزی رہے اور ذریعہ تعلیم اردو ہو جائے ' یہ عملاً ممکن نہ تھا ' نہ ایسا ہو سکا۔ ۱۹۷۹ میں سال بہ سال ہر پہلی کلاس سے اردو کو اختیار کرنے اور بالآخر ۱۹۸۹ سے میٹرک کی سطح تک بالکلیہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ تو کیا گیا لیکن نہ تو اسے نافذ کیا گیا اور نہ اردو کو سرکاری زبان کے طور پر اختیار کرنے کے لیے کوئی ایک بھی اقدام کیا گیا۔ عملاً یہ ہوا کہ انگریزی کی برتری ' اور کامیاب زندگی کے لیے اس کا کلید ہونا برقرار رہا۔ ۱۹۸۳ میں غیر ملکی امتحانات کے لیے

انگریزی ذریعہ تعلیم کی اجازت دے کر چور دروازہ کھولا گیا اور اپنے فیصلے کی خود ہی نفی کر دی گئی۔ پھر جب سرکاری زبان کی ضرورت پورا کرنے کے لیے انگریزی میڈیم اسکولوں کی فصل اگنے لگی' تو کہا گیا کہ وہ ہم کیا کریں 'لوگ ہی اپنے بچے انگریزی میڈیم اسکولوں میں داخل کرواتے ہیں"۔

ایک نیا قدم پرائمری تعلیم کے لیے مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کا اٹھا دیا گیا۔ اس پر تیز رفتاری سے عمل بھی شروع ہو گیا۔ صوبہ سندھ کی حد تک تو یہ پہلے ہی رائج تھا' لیکن اب صوبہ سرحد' صوبہ بلوچستان میں بھی مادری زبانوں میں قاعدوں کی تیاری اور اساتذہ کی تربیت شروع ہو گئی۔ البتہ صوبہ پنجاب نے سرِدست اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا ہے۔

نفاذ کا طریقِ کار

اردو ذریعہ تعلیم کو کامیابی سے نافذ کرنے کا طریقہ تو بہت صاف اور سیدھا ہے ' اور یہ اس انگریز سے سیکھا جا سکتا تھا جس کی زبان ہمارے بالادست طبقہ سے چھوٹتی نہیں ہے۔ انگریز نے اس ملک میں انگریزی کو کس طرح نافذ کیا؟ اس نے ہماری فارسی کو بے قیمت کر کے 'ملازمت اور کامیابی کو انگریزی سے منسلک کر دیا۔ اگر قومی قیادت اردو کو واقعتاً نافذ کرنا چاہے' تو وہ آسانی سے اسے یہ مقام دے سکتی ہے کہ ملازمت 'عزت اور کامیابی اردو سے ملے 'انگریزی سے نہیں۔ پھر کون انگریزی میڈیم اسکولوں میں داخلوں کے لیے بڑی بڑی فیسیں دے گا۔ لیکن پوری پالیسی تو انگریزی کی بالادستی کی ہو اور لوگ اردو میڈیم میں اپنے بچوں کو پڑھوائیں 'یہ کیسے ممکن ہے؟

موجودہ صورتِ حال

اس وقت جو صورتِ حال ہے' وہ اس قوم کے ساتھ ایک سنگین مذاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ سہولت 'مقبولیت اور رابطہ کی زبان ہونے کی حیثیت سے اردو اپنا راستہ خود بنا رہی ہے' لیکن سرکاری طور پر اسے اختیار نہیں کیا جا رہا ہے۔ دستوری تقاضے کو بھی کوئی وقعت نہیں دی جا رہی ہے۔ اگر انگریزی کے حق میں اور اردو کے خلاف یہی دلیل ہے کہ سائنسی علوم کے لیے انگریزی ناگزیر ہے' تو انگریزی کو اسی حد تک محدود کر کے دیگر قومی مقاصد کے لیے اردو کو اختیار کر لیا جاتا' تو بھی صورتِ حال مختلف ہوتی۔ لیکن اس وقت حال یہ ہے کہ تعلیم یافتہ ہونے کا مطلب ہی انگریزی تعلیم یافتہ ہونا ہے۔

پورا نظام ایسا بنا دیا گیا ہے کہ جسے انگریزی نہیں آتی وہ خود ہی احساسِ کمتری کا شکار ہو کر پیچھے چلا جائے' اور احساسِ محرومی کا شکار رہے۔ یہ کیسا ظالمانہ نظامِ تعلیم ہے کہ خود اپنی قومی زبان کی بے توقیری کرتا ہے اور غیر ملکی زبان کو عزت و کامیابی کی کلید قرار دیتا ہے۔ ایک مخصوص طبقہ اسی کے ذریعے

اپنا طبقاتی تفوق برقرار رکھتے ہوئے حاکم بنا ہوا ہے اور دوسرے محکوموں میں شمار ہوتے ہیں۔

حکومت پنجاب کا فیصلہ

اس پس منظر میں حکومت صوبہ پنجاب کے فیصلہ کا نظری اور عملی پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے تو اس کے دُور رَس منفی مضمرات سامنے آتے ہیں۔ یقیناً اس کے ذریعہ انگریزی کو پہلی جماعت سے ذریعہ تعلیم ہی نہیں بنایا گیا ہے' بلکہ اس سے انگریزی کی بالادستی کو' جس کا ایک مظہر انگریزی ذریعہ تعلیم ہے' تقویت حاصل ہوئی ہے۔ اس فیصلے کے جواز میں معصومانہ انداز میں یہ کہا گیا ہے کہ "طبقاتی تفریق کو ختم کرنے کے لیے سب ہی کو برابر کی انگریزی آنا چاہیے"۔ گویا تفریق ختم کرنے کا راستہ یہ نظر آیا ہے کہ لاکھوں بچوں کو' جن کی اپنی زبان اور شناخت ہے' ابتدا ہی سے ایک اجنبی زبان کے حوالے کر دینے کا ظلم کیا جائے' لیکن یہ نہ کیا جائے کہ چند ہزار افراد کو قومی زبان میں تعلیم دی جائے اور ملک کا ماحول اور پالیسیاں ایسی بنائی جائیں کہ جن میں سب کو برابر کے مواقع ملیں۔

یہ فیصلہ کیوں ؟

ہم کچھ دیر کے لیے فرض کر لیتے ہیں کہ یہ فیصلہ کرنے والوں کی واقعی نیت یہ ہے کہ قوم کے سب ہی بچے انگریزی سیکھ کر مقابلے میں برابری حاصل کر سکیں۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قوم کے مستقبل سے کھیلنے والے یہ حضرات' قوموں کی زندگی میں زبان کی اہمیت سے واقف ہیں؟ کیا مسئلہ صرف مقابلے کے لیے امتحانات میں کم یا زیادہ نمبر لینے کا ہے' یا اپنی پوری قوم کی تہذیب اور ثقافت کی بقا اور نئی نسل کو اس کی منتقلی اور اجنبی اور غیر تصورات اور اقدار سے بچاؤ کا ہے۔ جب کوئی ملک فتح کیا جاتا ہے تو اس پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا جاتا ہے کہ اسے اس کی زبان سے محروم کر دیا جائے۔ فرانسیسی' ولندیزی' اطالوی' برطانوی اور روسی مقبوضات میں ہر جگہ نوآبادیاتی طاقت نے یہی پالیسی اختیار کی کہ اپنی زبان کو رائج کر کے مفتوح قوم میں اس کی تاریخ' ثقافت' تہذیب اور اقدار سے کاٹ دیا۔

لیکن ہم کیسی آزاد قوم ہیں کہ اپنی زبان رکھنے کے باوجود مختلف بہانوں سے ایک اجنبی' غیر اور استعمار کی زبان کو برقرار غالب اور بالادست رکھنا چاہتے ہیں۔ اس زبان کو اس کے مقام پر رکھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے' لیکن اس کی خاطر اپنی پوری تعلیم کا ناس مار لینا' اپنی نئی نسل کو معذور بنا دینا' اور اگر معاشرے میں دوسرے قومی رجحانات کسر پوری نہ کر رہے ہوں تو انھیں اپنے دین و مذہب سے بیگانہ کر دینا' یہ کس طرح کی پالیسی ہے۔

مستقبل کا لائحہ عمل

مستقبل کے لیے ہمارا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے اور لائحہ عمل میں پہلی جماعت سے لازمی انگریزی کا کیا کوئی مقام ہے؟

انگریزی ذریعہ تعلیم

کیا ہم پورے ملک میں انگریزی ذریعہ تعلیم نافذ کر سکتے ہیں؟ قطع نظر اس کے کہ یہ ممکن العمل نہیں ہے' جب انگریزی ہماری اپنی زبان نہیں' تو انگریزی بطور ذریعہ تعلیم کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہم اپنے بچوں کو مختلف مضامین' ایک اجنبی زبان میں پڑھوا کر ان پر نا روا دہرا بوجھ کیوں ڈالیں۔ وہ مضمون کا علم حاصل کریں' یا اصطلاحات کے تراجم کرتے رہ جائیں۔ اس طرح تو تخلیقی صلاحیتیں ٹھٹھر جائیں گی۔ دنیا کے کتنے ہی ملک ہیں' جن کی سرکاری زبان اور ذریعہ تعلیم ان کی قومی زبان ہے اور وہ کامیاب ہیں۔ وہ ترقی کے راستے پر برابر آگے بڑھ رہے ہیں اور انگریزی میڈیم میں تعلیم نہ دینے سے زوال کا شکار نہیں ہو گئے ہیں۔

قومی زبان ، سرکاری زبان

حقیقت یہ ہے کہ قومی بقا' خوشگوار مستقبل اور ۲۱ ویں صدی میں باعزت داخلے کے حوالے سے ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے۔ وہ یہ کہ جو مثبت فیصلے کیے گئے ہیں' ان پر خلوص سے عمل کیا جائے۔ قومی زبان کو سرکاری زبان بنانے کے لیے دستوری عہد کا ایفا ہونا چاہیے۔

اگر ۱۹۸۹ تک' میٹرک کی سطح تک اردو ذریعہ تعلیم کا فیصلہ قائم رہتا اور آگے بڑھایا جاتا' تو آج اعلیٰ تعلیم بھی اردو میں ہی دی جا رہی ہوتی۔ اب اگر دفاتر میں' عدالتوں میں' بنکوں میں اور مقابلہ کے امتحانوں میں قومی زبان رائج کر دی جائے' تو انگریزی میڈیم کے تعلیمی ادارے قانوناً بند کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی' وہ اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

اردو ذریعہ تعلیم

کہا جاتا ہے کہ "اردو کی نشوونما اس سطح تک نہیں ہے کہ وہ امور مملکت چلانے اور علوم کی تحصیل کا ذریعہ بن سکے"۔ اس کا حل یہی ہے کہ اردو کو بے توجہی کا شکار بنانے کے بجائے اس پر ہر طرح کے وسائل لگائے جائیں' اور اگر کوئی کمی ہے تو اسے پورا کیا جائے۔ اس سلسلے میں کئی کوششیں کی گئی ہیں' لیکن انھیں عملاً اختیار نہیں کیا گیا۔ یکسوئی سے اردو کو اپنانے کی پالیسی اختیار کرنے سے پورے ملک میں فروغ علم کی مہم میں جان پڑ جائے گی۔ خواندگی کی مہم جو آج تک کامیاب نہیں ہوئی ہے' اسے عوام

ہاتھوں ہاتھ لیں گے ۔جب اردو میں مستقبل نظر آئے گا اور وہ ممکن الحصول بھی ہوگی 'تو سب اس کی طرف دوڑیں گے ۔یوں یہ زبان ان کے لیے علم کا' اخلاق اور تہذیب کا اور ملک کے شہری کی حیثیت سے اپنا مقام حاصل کرنے کا وسیلہ بن جائے گی ۔

انگریزی کا مقام

انگریزی کی جتنی ضرورت ہے 'اسے اسی تک محدود رکھا جائے ۔اگر سرکاری زبان اردو ہو جائے 'تو آسانی سے انٹر کی سطح تک انگریزی کے بغیر بھی تعلیم اور مہارت کا مطلوبہ معیار دیا جاسکتا ہے جنھیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ہے 'علوم میں ایم اے اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنا ہے 'ان کے لیے انگریزی کی مطلوبہ قابلیت حاصل کرنا لازمی قرار دیا جاسکتا ہے 'جس طرح امریکہ اور برطانیہ میں پی ایچ ڈی کے لیے دو زبانیں جاننا ضروری ہوتا ہے ۔اس کے لیے اعلیٰ درجہ کے خصوصی کورسوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اس وقت ملک میں انگریزی کی تدریس کی کیا صورت حال ہے ؟جن کو بھی واسطہ پڑتا ہے 'وہ اس سے متفق ہوں گے کہ یہ لیاقت اس سے بہت زیادہ نہیں (بلکہ بہت ہی کم ہے) جو چھ ماہ یا ایک سال کے ڈائریکٹ سسٹم کے جزوقتی کورس سے پیدا ہوتی ہے ۔ہم اس قابلیت کے لیے 'جسے صرف اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مفید ہوتا ہے ' تمام طالب علموں کو ذہنی خلجان' پریشانی' ناکامی کے خدشوں' دیگر مضامین پر کم توجہ 'احساس کمتری اور ترک تعلیم جیسے اندیشوں سے کیوں گزاریں ۔

اگر حکومت انگریزی کی افادیت کی اتنی ہی قائل ہے جس کا اظہار کیا جاتا ہے ' اور اسے طبقاتی برتری کا ہتھیار بنا کر نہیں رکھنا چاہتی 'تو اخلاص کا تقاضا ہے کہ درج ذیل اقدامات کی طرف توجہ دے :

۱۔ ثانوی مراحل پر اور اس کے بعد انگریزی کی جو لازمی تدریس جاری ہے 'اس کے انتہائی غیر اطمینان بخش ہونے کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ تدریس کے لیے وقت کم ہے یا استاد موجود نہیں ہیں ' یا طلبہ پہلی جماعت سے پڑھتے ہوئے نہیں آرہے ۔۵ سال تک روزانہ ایک بلکہ دو پریڈ انگریزی کی لازمی تدریس مطلوبہ قابلیت کیوں پیدا نہیں کر رہی ہے ؟اس مسئلے پر سوچ بچار کر کے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے ۔پہلی جماعت سے انگریزی لازمی کر کے جو ناروا بوجھ اپنے اور اپنے بچوں پر ڈالا جارہا ہے 'اس کے نتائج موجودہ تعلیم سے بھی بدتر ہوں گے ۔بہتر ہے کہ اس کے وسائل مطلوبہ مراحل میں انگریزی کی تدریس 'معیاری اور اطمینان بخش بنانے پر صرف کیے جائیں ۔

۲۔ انگریزی سکھانے کے کورس انتہائی نفع بخش کاروبار بنے ہوئے ہیں 'کیونکہ انگریزی ہی کی مارکیٹ ویلیو ہے ۔بی اے کیا ہوا بھی ضرورت مند ہوتا ہے 'کہ اس طرح کا کورس کرے ۔ سرکاری

زبان انگریزی نہ رہنے سے ان کی ضرورت ختم ہو جائے گی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے جتنی انگریزی ضروری ہے' اس کے لیے کورس خود حکومت کو اور یونیورسٹیوں کو منظم کرنا چاہییں اور بہت بڑے پیمانے پر کرنا چاہییں۔ یقیناً پہلی جماعت سے انگریزی لازمی کرنے کے مقابلے میں نتائج کے لحاظ سے یہ بہتر سرمایہ کاری ہوگی۔ اس سے ضرورت بھی پوری ہوگی اور استحصالی ذہنیت کی حوصلہ شکنی بھی ہوگی۔

۳- سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر بہت بڑے پیمانے پر اردو تراجم کا سلسلہ شروع ہونا چاہیے۔ سائنسی' علمی اور دیگر کتابیں یا مقالے انگریزی' جرمن' چینی' جاپانی اور روسی سب زبانوں میں مسلسل آرہے ہیں اور ہمارے بیشتر اہلِ علم بھی ان سے نابلد رہتے ہیں۔ بہت سے ممالک انگریزی پڑھانے کے بجائے اسی طرح اپنی علمی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ آپ' اردو کو ذریعہ تعلیم بنائیں' تعلیم کو عام کریں اور تراجم خوب کریں اور پھیلائیں' تو معاشرہ کی علمی سطح میں حقیقی اضافہ ہوگا۔

حالیہ فیصلہ کے اثرات

اگر حکومت انگریزی کو اعلیٰ تعلیم کے لیے ناگزیر سمجھتی' تو اس کے لیے اصل اقدامات درج بالا ہوتے۔ لیکن اس نے ایک بالکل الٹی سمت میں یہ فیصلہ کر ڈالا ہے کہ پہلی جماعت سے انگریزی کی لازمی تدریس ہو۔ اس کے نفاذ سے کیا حاصل ہوگا:

۱- پرائمری تعلیم کی موجودہ کیفیت کوئی راز نہیں ہے۔ کتنے ہی پنجسالہ منصوبے گزر گئے' لیکن پرائمری اسکول میں ۵ کلاسوں کے لیے ۲ یا ۳ اساتذہ فراہم کرنے کا منصوبہ تشنۂ تکمیل ہی رہا۔ پرائمری اسکولوں کی چار دیواری اور ان کمروں کے لیے بیرونی امداد بھی لی گئی لیکن بے شمار اسکولوں کو چھت بھی میسر نہیں ہے۔ بیشتر اساتذہ کا معیار اور تدریس میں عدم دلچسپی بھی ایک کھلا راز ہے۔ ان حالات میں وہ اساتذہ جو خود انگریزی کے دو جملے نہ صحیح سمجھ سکتے ہیں' نہ بول سکتے ہیں' نہ لکھ سکتے ہیں' نہ انھیں انگریزی کی تدریس کی تربیت ملی ہے اور اکثریت اے' ایم اے پاس کا یہی حال ہے' وہ کیسی انگریزی پڑھائیں گے' یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲- کہا جا رہا ہے کہ اس منصوبے کے لیے وسائل فراہم کیے جا رہے ہیں' اساتذہ کو تربیت بھی دی جائے گی' نئی بھرتی بھی ہوگی' لیکن ماضی میں اس طرح کے تجربے کچھ کم نہیں ہوئے ہیں' کہ یہ سب وسائل بالآخر ضائع ہو جائیں گے اور قوم اپنے لیڈروں کی غلطیوں کی سزا پائے گی۔

۳- طلبہ پر اس کے کیا اثرات ہوں گے؟ کیا ان پانچ سال کی محنت سے انگریزی میں کچھ شد بد حاصل ہو جائے گی؟ اس وقت بھی جو خوش قسمت بچے (تقریباً ۵۰ فی صد) پرائمری اسکول میں پہنچ جاتے ہیں' ان میں سے نصف سے زاید پانچویں تک پہنچنے کے دوران تعلیم ترک کر دیتے ہیں۔ یہ شرح

انگریزی تدریس کے بعد لازماً تیز رفتاری سے بڑھے گی۔

۴۔ جہاں خواندگی مسئلہ ہو' بچے کو پرائمری اسکول میں لانا مسئلہ ہو' وہ اردو میں (بلکہ مادری زبان میں) پڑھنے بھی نہ آتا ہو' وہاں جب انگریزی بھی پڑھائی جائے گی (اور جیسی کچھ بھی پڑھائی جائے گی) تو اس سے لازمی طور پر انگریزی کی دہشت اور رعب میں اضافہ ہو گا اور طبقاتی تفریق کی آگ کے لیے مزید ایندھن فراہم ہو گا۔

۵۔ یہ تو اعداد و شمار ہی بتائیں گے کہ پرائمری میں داخلہ لینے والوں میں سے کتنے اعلیٰ تعلیم کے مدارج تک جاتے ہیں کہ جنھیں واقعی انگریزی کی ضرورت ہو گی۔ اس وقت ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں طلبہ کی تعداد شاید ایک لاکھ سے زاید نہ ہو گی۔ صرف چند فی ہزار کے لیے لاکھوں بچوں پر یہ ظلم کس لیے؟

۶۔ اس پوری مشق کے 'بلکہ مشقِ ستم سے ناکامی کے بعد کمتری کے احساس میں اضافہ ہو گا' احساسِ محرومی بڑھے گا' یہ سب کے سامنے ہے۔

یہ حقائق جو سب کو نظر آرہے ہیں' صوبہ پنجاب کے ذمہ داران تعلیم سے بھی پوشیدہ نہیں ہوں گے۔ مگر وہ جانتے بوجھتے یہ کیوں کر رہے ہیں؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کہا تو یہ جا رہا ہے کہ "غریبوں کو سب کے برابر لانے کے لیے یہ کیا گیا ہے"۔ لیکن لگتا ہے کہ یہ صرف غریبوں کے منہ بند کرنے کے لیے کیا گیا ہے' تاکہ انھیں یہ کہا جاسکے کہ اب تو تمھارے لیے بھی انتظام ہے' اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اردو کی نذر کر کے پیچھے ڈال دیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا گزارشات کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل طے کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہماری قیادت مغرب کی ذہنی' ثقافتی' سیاسی اور معاشی غلامی سے نجات پالے' اور اسے اپنے دین و مذہب اور اپنی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے اپنی شناخت اور ترقی کا احساس ہو جائے تو اسے یہی لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ ایسی پالیسیاں ہی اختیار کریں کہ موجودہ صورت حال برقرار رہے' تو ملک کے ہر بہی خواہ کا فرض ہے کہ وہ میدان میں آئے اور اس صورت حال کو تبدیل کرنے میں اپنا حصہ ادا کرے۔

رسائل و مسائل

گناہ پر ندامت و اضطراب

گذشتہ امتحانات میں' ایک دباؤ کے تحت میں نے دوسری طالبہ کی جگہ پرچے دیے۔ اس گناہ کے ارتکاب کے بعد سے ندامت اور اضطراب ہے۔ بے حد پریشان ہوں' نمازیں بھی قضا ہونے لگی ہیں' رہنمائی کیجیے۔

تمھیں خود اس بات کا احساس ہے کہ تم نے جانتے بوجھتے' ایک بڑا گناہ کیا اور تمھیں اس پر ندامت اور اضطراب بھی ہے۔ یہ احساس اور اضطراب بڑی قیمتی دولت ہے اور تمھارے اوپر اللہ کا احسان ہے۔

بڑا گناہ بھی اگر بھول چوک اور جذبات میں بہہ کر ہو جائے تو اس کا وزن کم ہو جاتا ہے' چھوٹا گناہ اگر جانتے بوجھتے کیا جائے اس کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ گناہ بڑا ہو یا چھوٹا' اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف کر سکتا ہے' اور کرتا ہے۔ جو چیز اس گناہ کے وبال سے بچنے کا راستہ بند کر دیتی ہے' وہ اس کی رحمت و مغفرت سے مایوسی' اور توبہ و استغفار سے محرومی ہے۔ بدقسمتی سے تم اسی مایوسی کا شکار ہو گئی ہو۔

شیطان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ پہلے بہلا پھسلا کے' اور بُرے کام کی اچھی تاویل کر کے' اس کو کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جب تم شیطان کے اس فریب میں آگئیں' کیوں کہ گناہ انسان سے ہوتا ہی ہے۔ لیکن اس کے بعد اللہ کی طرف پلٹنے اور توبہ استغفار کا راستہ کھلا ہوتا ہے۔ یہ راستہ بند کرنے کے لیے' اس مرحلے پر' شیطان مایوس ہو جانے کا وسوسہ دل میں ڈالتا ہے۔ ابلیس کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ جو بالکل مایوس ہو۔ خواہ جانتے بوجھتے گناہ کرو' بہت بڑا گناہ کرو' گناہ کے انجام سے بچنے کا کوئی راستہ اس کے علاوہ نہیں کہ تم اللہ کی طرف پلٹو۔ تم جانتی ہو کہ اس کے علاوہ کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا اور اس نے گناہ معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر تم نے شیطان کا یہ وسوسہ قبول کر لیا۔ اسی لیے تمھارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو گیا کہ کیا میرا یہ فعل اللہ کے ہاں قابل معافی ہے؟ حالانکہ تم جانتی ہو کہ اللہ نے فرمایا ہے' کہ جو "اپنے نفس پر ظلم کرے گا اور اللہ سے معافی مانگے گا' اس کی

طرف پلٹے گا' وہ اسے بخشنے والا اور مہربان پائے گا' (النسا)۔متقین کوئی فحش کام کر بیٹھیں یا اپنی جان پر ظلم' اللہ سے معافی مانگتے ہیں اور وہ معاف کرتا ہے' (آل عمران)۔اس کے بعد مغفرت کے بارے میں کسی شبہ یا سوال کی کیا گنجایش ہے۔ تمھارا گناہ اللہ کی مغفرت کو عاجز نہیں کر سکتا۔۹۹ قتل کر کے بھی آدمی مغفرت پا سکتا ہے' زنا کر کے بھی' ساری عمر شرک اور گناہ میں بسر کر کے بھی۔صحیح طریقے سے استغفار اور توبہ شرط ہے۔

مایوسی کے بعد' شیطان یہ فریب دیتا ہے کہ جب میرا گناہ معاف نہیں ہو گا تو اب میں کسی لائق نہیں رہی۔اب کس منہ سے اس کے سامنے جاؤں' میری نیکیاں کس طرح قبول ہوں گی؟ اس لیے تمھاری یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ نمازیں قضا ہونے لگیں' نیکی کے کام چھوٹ گئے حالاں کہ اگر اپنے گناہ کے نقصان کا صحیح اندازہ ہو' اور دل میں صحیح ندامت ہو' اور یقین ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں' تو اور زیادہ سوز و درد کے ساتھ اللہ کی طرف پلٹنا چاہیے۔نمازوں میں اضافہ ہونا چاہیے اور نیک اعمال میں بھی۔قرآن نے بھی کہا ہے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔حضورؐ نے بھی فرمایا ہے کہ برائی کرنے کے بعد نیکی کرو تاکہ برائی مٹ جائے۔

ان باتوں پر تم غور کرو گی تو راہِ عمل واضح اور صاف ہے۔اللہ کی طرف پلٹو' اپنے گناہ پر نادم ہو اور اس کے سامنے گڑگڑاؤ۔ساتھ ہی نیکیوں میں کفارے کے طور پر اضافہ کرو۔ (خرم مراد)

وسوسوں کا علاج

۱۔ایک وقت تھا جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے نہ تھی۔پھر آخر یکایک اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت یا حاجت درپیش ہوئی کہ اس نے سیارے' ستارے' چرند' پرند ملائکہ اور جن و انس وغیرہ کو پیدا کیا؟ اس کام سے آخر کیا فائدہ ہوا؟

۲۔یہ کیوں کر معلوم ہو کہ فلاں شخص پر دین کی حجت تمام ہوئی ہے یا نہیں؟

۱۔ آپ کا ذہن جس قسم کے سوالات میں الجھا ہوا ہے ان کی حیثیت وسوسوں کی ہے۔ان کا علاج اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ آپ ایک دفعہ ہمت کر کے شیطان سے یہ کہہ دیں کہ مجھے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے نہ کسی جواب کی۔میں ہر چیز کو اسی طرح صحیح سمجھتا ہوں جس طرح محمد رسول اللہؐ نے بتایا ہے۔

اللہ کے بارے میں آپ ایک بنیادی بات ذہن میں رکھیں۔وہ "احد" ہے' یعنی اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔صرف وہ خالق ہے اور باقی سب مخلوق۔ہمارے سارے سوالات مخلوقات کے ساتھ

تجربوں کی بنیاد پر پیدا ہوتے ہیں' جن کا اس کے اوپر اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ خالق نے کوئی کام کیوں کیا' یعنی اس کی اپنی کیا غرض ہے اور اسے کیا ملنے والا ہے' یہ سوال مخلوق کے دائرے اور سمجھ سے باہر ہے۔

۲۔ یہ معلوم ہونے کی نہ کوئی ضرورت ہے' اور نہ اس کا کوئی طریقہ' کہ کسی شخص پر دین کو پہنچانے کی حجت تمام ہوئی یا نہیں۔ حجت کے تمام ہونے اور اس کے نتائج کا تعلق صرف اللہ کے رسولوں کے ساتھ ہے۔ رسول کا یہ مقام ہوتا ہے کہ وہ اتمام حجت کر دے' اس کی رہنمائی اور نگرانی کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے' اور اتمام حجت کے بعد قوم عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے۔ (خرم مراد)

غلط کیفیات کا مقابلہ

آپ کو اندازہ ہو گا نوجوان لڑکوں کے ساتھ اس رنگین دنیا میں کیا کیا مسائل پیش آتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہے۔ دل اچاٹ سا رہتا ہے۔ کاموں میں بھی دل نہیں لگتا۔ مطالعہ میں بھی بالکل دل نہیں لگ رہا ہے۔ کیا کروں؟

تم عمر کے جس دور سے گزر رہے ہو اس میں اس قسم کے مسائل پیش آنے سے کوئی مفر نہیں ہے۔ صحیح طریقہ سے مقابلہ کرنے سے اس کا امکان ہے کہ تم اپنی کیفیات پر قابو پا سکو۔

دل میں غلط خیالات و جذبات کو پیدا ہونے سے روکنا انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اس لیے پہلے تمھیں یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جو غلط کیفیات کو پیدا کرنے کا باعث ہیں اور جن کو چھوڑنا تمھارے اختیار میں ہے۔

مثلاً اگر غلط صحبت ہے تو اس کو ترک کرنے کا فیصلہ کر لو۔ اگر وجہ تنہائی ہے تو زیادہ وقت اچھے لوگوں کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کرو۔ اپنے ذہن اور دل و دماغ کو اچھے خیالات میں مشغول رکھو۔ خصوصاً اللہ کی یاد اور اس کی محبت میں۔ صبح یا رات کو کوئی ایسا وقت نکالو جب یکسوئی کے ساتھ اپنے دن بھر کا جائزہ لو اور غلط چیزوں سے بچنے کا عزم کرو۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ مایوس ہو کر نیک کاموں کو کم کرنے کے بجائے ان میں اضافہ کی کوشش کرو۔ دل تو اچاٹ رہ سکتا ہے اس لیے کہ وہ آدمی کے قابو میں نہیں ہے۔ لیکن نگاہ اور ہاتھ پاؤں قابو میں ہیں۔ دل لگے نہ لگے' نماز باجماعت' دعوت کا کام' گھر والوں اور انسانوں کی خدمت' ان کاموں کو کرتے رہو۔ جن غلط چیزوں کو ترک کرنے کا فیصلہ کرو' اگر وہ فیصلے کے باوجود سرزد ہو جائیں تو اپنے اوپر نفل نماز یا روزے یا صدقے کا جرمانہ عائد کرو۔ توفیق اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے اس سے برابر دعا کرتے رہو۔ ان تدابیر سے تمھیں اپنی کیفیات پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔

(خرم مراد)

نماز کی رپورٹ

ہمارے کچھ دوست نئے نئے تحریک اسلامی سے منسلک ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتے ہیں' لیکن نماز کی ماہانہ رپورٹ دینے سے گریزاں ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر عمداً نماز قضا کی جائے تو بہت بڑا گناہ ہے' لیکن اس گناہ پر دوسرے لوگوں کو گواہ بنانا اور اس گناہ کی تشہیر کرنا گناہ میں مزید اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ یہ طریقہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اگر ثابت ہے تو اس کا حوالہ دیا جائے' اگر نہیں تو اسے بدعت تصور کرتے ہوئے ترک کر دیا جائے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمایا جائے۔

جو اعمال پبلک کے سامنے ادا کرنا ضروری ہوں' ان کے بارے میں رپورٹ لینے اور دینے میں مجھے کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ فجر کی جماعت کے لیے خود لوگوں کو اٹھاتے ہوئے مسجد جایا کرتے تھے۔ جو لوگ مسجد کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے' ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ ؐ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض دفعہ میں سوچتا ہوں کہ کسی اور کو امام بناؤں اور جاکر ان کے گھر جلا دوں جو جمعہ کی نماز میں نہیں آتے' لیکن عورتوں اور بچوں کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا۔ جو اعمال پبلک کے سامنے کرنا ضروری نہیں ہیں مثلاً نوافل' رات کی نماز یا زکوٰۃ کے سوا دوسرے صدقات' ان کے بارے میں عمومی سوال و تذکیر میں کوئی حرج نہیں ہے' لیکن باقاعدہ رپورٹ لینا اور نہ کرنے کا اعتراف کرانا میری نظر میں مناسب نہیں ہے۔ رہے وہ گناہ جن پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا ہے' ان کا اعتراف کرنے یا کرانے سے احادیث میں منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں اس چیز کی بھی مذمت کی گئی کہ جس کا پردہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہو اور وہ خود اس کو چاک کر دے۔ کئی احادیث میں مسلمان کے عیوب کی ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا ہے۔

یہ اصول بھی سامنے رہنا چاہیے کہ ہر وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا ہو اس کا کرنا لازماً ایسی بدعت نہیں جو ممنوع ہو۔ اگر ایسا ہو پھر تو جماعت سازی' دستور اور قواعد و ضوابط کا بنانا' رکنیت کے لیے فارم بھروانا اور اس قسم کی تمام تر چیزیں بدعت قرار پائیں گی۔ یہ چیزیں اپنی موجودہ شکل صورت میں نبی کریم ؐ کی سنت سے ثابت نہیں' لیکن انھی مقاصد کی تکمیل کے لیے ذریعہ ہیں جو حضور ؐ سے ثابت ہیں۔ (خرم مراد)

قادیانیوں سے تعلقات

ہمارے نواحی دیہات میں قادیانیوں کی کافی تعداد آباد ہے جس کے ساتھ ہم لوگوں کے تعلقات برسوں پرانے ہیں۔ ہم لوگ ان کے ساتھ کھانا بھی کھالیتے ہیں' ان کے شادی بیاہ میں بھی شامل ہوتے ہیں جبکہ

عام علماکرام قادیانیوں سے معانقہ کرنے، بات کرنے اور لین دین کرنے تک سے منع کرتے ہیں۔
ان حالات میں تحریک اسلامی کے کارکن کا رویہ کیا ہونا چاہیے جب کہ اس پر پوری انسانیت کی ہدایت کی ذمہ داری ہے، اور یہ ذمہ داری بغیر تعلقات کے پوری نہیں کی جا سکتی۔ قرآن و سنت کی روشنی میں تحریر فرمایئے۔

غیر مسلموں سے تعلقات کے بارے میں، میرے نزدیک رہنما سورہ الممتحنہ کی یہ آیت ہے۔
"اللہ تعالیٰ تمھیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم (کفار اور مشرکین میں سے) ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے تمھارے ساتھ جنگ نہیں کی اور تمھیں گھروں سے نہیں نکالا"۔ کہا جا سکتا ہے کہ مرتد اور کافر میں فرق ہے۔ لیکن کسی کو مرتد قرار دے کر اس پر شرعی احکام نافذ کرنا عدالتوں کا کام ہے نہ کہ افراد کا۔ یہ سوال بھی غور طلب ہے کہ جو خود مرتد نہیں ہوئے بلکہ کسی مرتد کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں، اور اس لحاظ سے نسلی کافر ہیں، کیا ان پر بھی مرتد کے احکام کا اطلاق ہوگا؟

میرا خیال ہے کہ آپ ایک ایسے اچھے انسان اور اچھے مسلمان کی روش اختیار کریں جو راہِ ہدایت کی طرف دعوت کی اپنی ذمہ داری ادا کرنا چاہتا ہے۔ بالکل سوشل بائیکاٹ اور بے روک ٹوک معاشرتی تعلقات کے درمیان حسنِ سلوک کے ساتھ ضروری روابط رکھنے کی راہ نکالی جا سکتی ہے۔ (خرم مراد)

سود کی مجبوری

کوئی فرد جماعت اسلامی کا رکن نہیں بن سکتا جس کا کاروبار معصیت فاحشہ کے ضمن میں آتا ہو۔ ہمارے چند احباب ایسے ہیں جو اپنے جائز کاروبار (مثلاً گارمنٹ اور دواؤں کے کاروبار) کے سلسلے میں بنکوں سے لین دین کرتے ہیں اور یہ کرنے پر مجبور ہیں۔ براہِ کرم ان کے بارے میں بتایئے کہ وہ مذکورہ دفعہ کے تحت تو نہیں آتے؟ کیا وہ رکن بن سکتے ہیں۔ ایک اور صاحب ملازمت کے سلسلے میں واپڈا والوں سے لین دین پر مجبور ہیں، ورنہ واپڈا والے بجلی کاٹ سکتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی بتایئے۔

بنک کے ساتھ سودی لین دین جائز نہیں ہے اور سودی لین دین کرنے والا معصیت فاحشہ میں مبتلا ہونے کی بنا پر جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔ البتہ غیر سودی کاروبار بنک کی وساطت سے کیا جائے تو موجودہ حالات میں درگزر کے قابل ہے۔ دکان اور دواؤں کے کاروبار کے سلسلہ میں بنک کے ذریعہ رقوم کا لین دین جائز ہے۔ یعنی خریدار یا بائع کو بنک کے ذریعہ رقم بھیج سکتا ہے۔ اسی طرح بائع بنک کے ذریعہ ادویہ ارسال کر سکتا ہے۔

جہاں تک کسی کے مجبور ہونے کا تعلق ہے تو اضطراری واقعات کی ٹوہ میں نہیں پڑنا چاہیے نہ ہی اضطرار میں مبتلا شخص کو اپنے گناہ کا افشا کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اضطرار کے دعویٰ کے ساتھ کسی محکمہ کو رشوت دیتا ہے تو اسے تنبیہ کرنا چاہیے اور اس پر واضح کر دینا چاہیے کہ جماعت کے ارکان فقہا کی طرف سے دی گئی رخصتوں سے فائدے نہیں اٹھاتے بلکہ عزیمت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ آپ ہرگز کسی رکن کو اس کی اجازت نہ دیں کہ وہ رشوتیں دے کر اپنے کام نکالے۔ لیکن اگر کسی سے جرم ہو گیا ہو اور آپ کے سامنے کیس آ گیا ہو، تو ایسی صورت میں فیصلہ فقہا کے فتویٰ کی روشنی میں کیا جائے گا۔ ایسے شخص کو توبہ و استغفار کی تلقین کے ساتھ کچھ روزے رکھوا دیے جائیں اور صدقہ دینے کی ہدایت کر دی جائے، لیکن اس کی رکنیت باقی رکھی جائے۔ (عبد المالک)

فروعی اور اختلافی مسائل میں راہ صواب

عورتوں سے متعلق ۲۰۰ سے زائد روزمرہ کے معاشرتی مسائل --- مثلاً دیور اور بہنوئی کے ساتھ سفر، کالج کے ملازمین سے پردہ، رخصتی سے قبل شوہر سے خط و کتابت، بیوٹی کورس، تنہا سفر، مشترک خاندان میں الگ گھر کا مطالبہ وغیرہ --- پر مشتمل ایک سوالنامہ مولانا عبدالحق، امیر جماعت اسلامی بلوچستان، کو بھیجا گیا۔ انھوں نے اپنے "ہاں یا نہیں" کے مختصر جوابات کے ساتھ تمہیداً چند اہم اصول بھی بیان کیے ہیں، جنھیں مدنظر رکھنا تفرقہ، غلو اور انتہاپسندی سے بچنے میں مدد دے سکتا ہے (مدیر)۔

ان سوالات کے جواب میں کچھ عرض کرنے سے پیشتر چند امور کی طرف توجہ دلانا مناسب رہے گا۔

۱۔ اگر اس قسم کے سوالات پوچھنے سے مقصود ان مجوزہ مسائل کے علمی دلائل کی جستجو اور تحقیق ہے، تو فتاویٰ کی ایک نئی کتاب تصنیف کرانے کے بجائے پہلے سے موجود فقہ و فتاویٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے۔ یہ تمام زبانوں میں دستیاب ہیں۔ اور اگر ذاتی عمل کی حد تک رہنمائی لینا مقصود ہے، تو اپنے مسلک کے کسی معتمد عالم دین کا جواب آپ کے لیے بہتر اطمینان کا سبب بن سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے کثیر سوالات کا جواب صرف "ہاں" یا "نہیں" میں دیا جا سکتا ہے، جو ہر اہلِ علم اپنے مسلک اور علم و دانست کی روشنی میں دے گا۔

۲۔ جماعت اسلامی کسی ایک فقہی مسلک اور کلامی مکتبہ فکر تک محدود نہیں، ایک عمومی اسلامی تحریک ہے۔ کسی بھی ایسی ہمہ گیر تحریک میں مختلف مکاتبِ فکر اور فقہی مسالک سے وابستہ افراد، اپنے اپنے مکاتب فکر اور فقہی مسالک پر قائم رہتے ہوئے، کتاب و سنت کے مسلمات کی روشنی میں طے شدہ امور اور امتِ مسلمہ کے اجتماعی مسائل پر اتفاق کر کے، شامل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کے لیے کبھی کوئی فقہی مسلک متعین نہیں فرمایا۔ لوگ ان سے مختلف مسائل دریافت

کرتے ' اور مولانا حسبِ ضرورت تمام تر معروف مذاہب بیان فرما دیتے ' اور آخر میں اپنی ترجیح کا اظہار بھی ہوتا۔ لیکن اپنی تحقیق کے نتیجے میں ترجیح یافتہ رائے کو جماعت اسلامی کا مسلک قرار نہ دیتے۔ اور یہی طریقہ ائمہ سلف کا رہا ہے۔ امام مالکؒ سے جب ان کی موطا کو سرکاری دستور العمل بنانے کے لیے پوچھا گیا' تو انھوں نے سختی سے ممانعت کر دی۔ حالانکہ موطا امام مالک کی فقہی آرا کا مجموعہ نہیں 'بلکہ صحیح ترین احادیث و آثار کا ذخیرہ ہے' جس کو بعض ائمہؒ حدیث کے نزدیک صحیح بخاری پر ترجیح حاصل ہے۔

اسی طریقہ کار اور وسعتِ فکر و نظر کی آزادی نے جماعت اسلامی میں یہ وسعت پیدا کر دی کہ مختلف مکاتبِ فکر اور فقہی مسالک سے وابستہ حضرات اس میں شامل ہونے لگے ' زندانیانِ مکاتب و مسالک کی ایک معقول تعداد تنگ فکری دائروں سے نکل کر اسلام کی وسیع شاہراہ پر گامزن ہونے لگی ' دین و سیاست کے مابین دیواروں کی نظریاتی حیثیت کم ہونے لگی۔ فکر و نظر کی یہی کشادگی اس تحریک کی نمایاں خصوصیات میں سرِفہرست ہے۔ ورنہ امت میں تمام دینی جماعتیں جدا جدا مکاتبِ فکر اور فقہی مسالک کی اسیر ہیں۔

۳۔ جب اسلام تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط ہمہ گیر نظامِ حیات کی حیثیت سے کرۂ ارض میں پھیل گیا' تو کئی وجوہات کی بنا پر اس کے اندر علمی وسعت پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ اس میں مفسرین' محدثین' فقہا' متکلمین' صوفیا' فلاسفر' سائنس دان وغیرہ مختلف قسم کے طبقات پیدا ہو گئے' اور یہ خاصیت ہر زندہ اور نافذ العمل نظریے میں پیدا ہوتی ہے۔ ان طبقات میں سے ہر طبقے کے ارکان' باقی دیگر طبقات سے نمایاں اختلافات رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہی طبقے کے بہت سارے دیگر ارکان سے بھی واضح اختلاف رائے رکھتے تھے۔ یہ نظریات کا تنوع اور اختلاف آرا در حقیقت مجال تحقیق میں آزادی کا لازمی نتیجہ تھا' جو ہر ترقی پذیر معاشرے کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ ان سب کی کوششوں سے تیار شدہ علمی ذخیرہ امتِ مسلمہ کے لیے آج سب سے بڑا سرمایۂ افتخار ہے۔

۴۔ انسانی دنیا میں شدید اختلافات عموماً سیاست کے راستے سے آئے ہیں۔ شاید اس لیے کہ اختلافات اجتماعی زندگی کے دائرے میں پیدا ہو سکتے ہیں' اور سیاست کا دائرہ کار اسی اجتماعی زندگی پر محیط ہے۔ البتہ کسی دینی معاشرے میں دین سے جدا شدہ چنگیزی سیاست بھی اپنے دفاع کے لیے دینی حصار میں پناہ لینے پر مجبور ہوتی ہے' اور یہیں سے ہتھیار حاصل کر کے اپنی جنگ جاری رکھ سکتی ہے۔ تاہم کاروبار سیاست بذات خود تغیر پذیر اقدار پر قائم اور احوال و ظروف کا تابع ہے۔ اس لیے حالات بدلنے کے ساتھ سیاسی رویوں میں تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ وقتی طور پر ایک دوسرے کے خلاف استعمال شدہ اشتعال انگیز دلائل' علمی ذخیرے کا حصہ بن کر تاریخ کے ریکارڈ میں ٹھوس شکل میں محفوظ رہتے ہیں' جو

رفتہ رفتہ اعتقادات کے بارود خانے میں آتش گیر مواد کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اہلِ سیاست اس مواد کے خواص اور اس کے استعمال سے واقف ہوتے ہیں 'کیونکہ یہ مواد انہی کے کارخانوں کی مصنوعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ آج کی دنیا اور خصوصاً پاکستان میں ' دین کے نام پر کام کرنے والی جماعتوں میں تقسیم در تقسیم کا عمل اور ان کے مابین موجود تعصب میں شدت میدان سیاست پر قابض بااختیار سیکولر عناصر کے اسی پرانے حیلہ پرویزی کا تباہ کن نتیجہ ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کی الکلام اور علم الکلام میں اس پر عمدہ بحث کی گئی ہے۔

۵۔ اس وقت پوری دنیا میں امت مسلمہ ایک انتہائی انتشار ' فرقہ بندی تحزب و تشتت کی کیفیت سے دوچار ہے۔ امت کو اس مشکل سے نکالنے کے لیے کسی ایسی عالمگیر تحریک کی انتہائی ضرورت ہے جس کے اندر عالم اسلام میں موجود تمام مسالک و مذاہب اور فرقوں اور مکاتب کو ساتھ ملا کر چلانے کی صلاحیت موجود ہو۔ یہی نصب العین اور ہدف جماعت اسلامی کے پیش نظر ہے۔ اور خدا کے فضل سے جماعت پُرامید بھی ہے کہ اس جماعت کے اندر امم اسلامیہ کو دوبارہ ایک امتِ مسلمہ میں تبدیل کرنے کی بہتر صلاحیت موجود ہے۔

۶۔ استفتا میں پوچھے گئے بہت سے سوالات ایسے ہیں جن کے جواب میں فقہاء و علما کی آرا مختلف ہیں۔ لہٰذا آپ کو جو بھی جواب مل جائے اس کو کسی اہل علم کی اپنے مسلک کے مطابق تحقیق سمجھ لیں اور اسی حیثیت سے اس پر عمل کریں۔ انسانی اجتہاد کو عین اور واحد منشائے الٰہی نہ قرار دیں ' نہ دوسری آرا پر گمراہی کا فتویٰ لگائیں۔ اس کو جماعت اسلامی کا فقہی مسلک قرار نہ دیں۔ جماعت میں اہل حدیث ' اہل الرائے ' دیوبندی ' بریلوی اور دنیا کے بعض حصوں میں شوافع ' حنابلہ اور مالکیہ بھی ملیں گے۔ ماضی میں اہل تشیع کی ایک تعداد جماعت میں رہی ہے ' اور خدا کرے کہ اب بھی ہوں۔

۷۔ تزہد و تقشف کے میدان میں آ کر بعض اوقات آدمی اپنے تقدس کے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خلق خدا کو بددین ' بدعقیدہ اور بے عمل قرار دے کر اپنے سے فروتر سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتا ہے۔ پھر خوب سے خوب تر کی جستجو میں بہت آگے نکل کر مثالیت پرستی کے ذہنی مرض تک جا پہنچتا ہے۔ نتیجتاً مصلح سے نقاد بن جاتا ہے ' اور اس کی تمام تر صلاحیتیں کسی مثبت اصلاحی مد میں صرف ہونے کے بجائے منفی جدوجہد کے میدان میں ضائع ہو جاتی ہیں اور پھر بھی وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ ہماری تاریخ میں خوارج کا فرقہ اس مثالیت پرستی کے تلخ نتائج کی ایک واضح مثال ہے۔ اس موضوع پر شیخ ابن الجوزی کی تلبیس ابلیس کے مطالعے سے کافی رہنمائی مل سکتی ہے۔

کتاب نما

آنحضورؐ کے نقشِ قدم پر عبدالرحمن عبد - ناشر جنگ پبلشرز لاہور - صفحات اول ۱۴۴، دوم ۱۵۶، سوم ۱۶۰، چہارم ۱۵۶ - قیمت فی حصہ ۱۵۰ روپے مجموعی ۶۰۰ روپے -

عبدالرحمن عبد کی ''دیرینہ خواہش'' تھی کہ ''محبت کی بارگاہ کے وہ مقدس مقامات'' دیکھے جائیں ''جہاں جہاں سے وہ گزرے، جہاں جہاں ٹھہرے''۔ سعودی حکومت نے پاکستانی کالجوں کے عربی اساتذہ کو تدریسِ عربی کی تعلیم کے لیے دو سالہ وظیفے پر بلانے کا سلسلہ شروع کیا تھا تو ۱۹۷۸ میں انھیں بھی نجد و حجاز جانے کا موقع ملا، اس طرح ان کی دیرینہ خواہش پوری ہونے کا سامان ہو گیا۔

عبدالرحمن عبد نے اپنے پہلے ہی سفر میں طے کر لیا تھا کہ وہ عربی زبان کی تعلیم و تحصیل تک محدود نہیں رہیں گے، بلکہ اپنے زمانہ قیام کو مقاماتِ نبویؐ کے تفصیلی مطالعے و مشاہدے کا ذریعہ بنائیں گے۔ چنانچہ ''آنحضورؐ کے نقشِ قدم'' پر چلتے ہوئے انھوں نے باقاعدہ ایک پروگرام کے تحت مدینۃ النبیؐ، مسجدِ نبوی، مسجد قبا، مقام بدر، جبل احد، مرقد سیدہ آمنہ، خیبر، مدائن صالح، تبوک، حدیبیہ، مکہ معظمہ، حرم پاک، غار حرا، جبل ثور، طائف، منیٰ، جبل رحمت، عرفات وغیرہ کی تفصیلی بات کی۔

زیرِ نظر کتاب، جسے چار حصوں میں چار مختلف ناموں (حرم نبوی، حرم مدینہ، حرم مکہ، حرم عرفات) سے شائع کیا گیا ہے مصنف کے اسی مطالعاتی اور جذباتی دورے کا حاصل ہے۔

مصنف اس دورے پر، ایک طالب علم بن کر گئے، مگر پوری تیاری کے ساتھ --- مقاماتِ نجد و حجاز پر اردو، عربی اور انگریزی میں معروف اور اہم کتابوں کا مطالعہ کیا، نوٹس لیے بلکہ بعض ضروری کتابیں اور معلوماتی لوازمہ (سامان خور و نوش کی طرح) ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔ بالعموم انھوں نے ہر مقام کی اجتماعی زیارت کی۔ ان کے ہم سفر رفقا میں حافظِ قرآن، علوم دینی کے فاضل، تاریخ و سیرت نبویؐ پر گہری نظر رکھنے والے، اور عربی زبان ادب کے ماہر شامل تھے، چنانچہ یہ سب لوگ ایک ایک مقام کو بڑی محبت و چاہت کے ساتھ دیکھتے ہیں، اپنی اپنی معلومات و مطالعے سے ساتھیوں کو آگاہ کرتے ہیں، قرآن و حدیث اور سیرت نبویؐ کے حوالے سامنے لاتے ہیں اور مستشرقین کی تحقیق پر رائے زنی

کرتے ہیں۔ اس طرح کتاب کا بیانیہ زیادہ تر گفتگوؤں' مکالموں اور تبادلہ خیالات کے حوالے سے آگے بڑھتا ہے۔ جہاں کوئی کمی رہ جاتی ہے 'مصنف اپنے مطالعہ و تحقیق' حوالوں اور اقتباسات سے اسے پورا کر دیتے ہیں۔ یہ اسلوب نیا تو نہیں' لیکن دیار حبیبؐ کے اس سفرنامے میں پہلی دفعہ اتنی مہارت سے اختیار کیا گیا ہے کہ اس کی دل کشی و دل آویزی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ قاری بھی خود کو مصنف اور ان کے رفقا کا ہم سفر محسوس کرنے لگتا ہے۔ یوں ان کی کوشش رہی ہے کہ وہ زیر زیارت مقام کے بارے میں 'موجود و دستیاب ممکنہ تفصیل اور معلومات' سامنے لے آئیں تاکہ "عہدِ رسالت کے اوراقِ گم گشتہ' زندہ و متحرک تصاویر میں بدل جائیں" (۱' ص ۵۷)۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔

اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنی یادداشتوں کی بنیاد پر کتاب کو حتمی صورت دینے سے پہلے' مختلف مقامات و روایات کے سلسلے میں خاصی تحقیق و تفتیش کی ہے' چنانچہ کتاب کا ہر باب اور ہر موضوع وسیع تر ماخذ اور حوالوں سے معمور نظر آتا ہے اور مصنف اس کی تمام جزئیات اور تفاصیل فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً حرم شریف کی عمارت کا ذکر آیا تو بتاتے ہیں کہ عثمانی تعمیر کا رقبہ ۲۹ ہزار مربع میٹر تھا' جو اب نئی تعمیر سے 'پانچ گنا سے بھی بڑھ کر ۱۶۰ ہزار مربع میٹر ہو گیا۔ عثمانی حصے میں ۱۵۱ گول ستون سنگ مرمر کے ہیں جن کا قطر نصف میٹر کے لگ بھگ ہے۔ ۲۰۶ ہشت پہلو ستون 'حجر شمیسی سے بنائے گئے ہیں' اور ۵۷ ستون کنکریٹ سے (۲' ص ۵۱)۔ میناروں کا ذکر آیا تو ان کی تعداد' بلندی' محیط' بالکونیوں اور چوٹی کے سنہرے ہلال تک کی تفصیل بیان کر دی۔ زمزم کا ذکر آیا تو جملہ متعلقہ روایات و معلومات کے ساتھ یہ تک بتا دیا کہ چاہ زمزم کے قرب و جوار میں پینے کے لیے ساڑھے چار سو ٹونٹیاں لگی ہیں۔ غلاف کعبہ کے تذکرے میں' اس کی کئی صدیوں پر محیط پوری تاریخ بیان کر دی (۲' ص ۱۲۱)۔

کتابی اور مشاہداتی معلومات 'کتاب میں شامل بہت سی تصاویر اور نقشوں کی مدد سے واضح ہو کر سامنے آتی ہیں۔ توضیح و تصریح کے لیے کبھی وہ تقابل کا پیرایہ اختیار کرتے ہیں: "بیت اللہ شریف کے ستون بھاری بھرکم اور عالی ہیں' یعنی عظمت و ہیبت کا تاثر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس مسجد نبویؐ کے یہ ستون (کل ۲۰۷۴ ستون) دیکھ کر نرمی اور تلطف کا احساس ہوتا ہے۔ یہ صرف ایک فٹ قطر کے اکہرے سفید 'پتلے اور چکیلے ستون ہیں۔ اوپر محرابوں پر طلائی نقش و نگار کا اتنا نفیس کام کیا گیا ہے کہ ماہرین کی صناعی دل پر نقش ہو جاتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ حسن بے نقاب ہو گیا ہے" (۱' ص ۷۶)۔ گنبدِ خضرا کے تذکرے میں اس کی تعمیر و بناوٹ کی جزئیات اور نزاکتوں کے ساتھ اس کے رنگ کے

بارے میں بتایا کہ گنبد کا سبز رنگ ڈیڑھ سو سال سے ہے۔ ترک سلطان عبدالمجید نے مسجد کی تعمیر جدید بہت وسیع پیمانے پر کرائی تھی۔ اس نے ۱۸۳۷ء میں اس مقدس گنبد کا رنگ سبز کرایا' اور یہ گنبد خضرا کہلایا۔ اس سے پہلے سفید رنگ تھا۔ کچھ عرصہ نیلا رنگ بھی رہا اور اس رعایت سے یہ گنبد بیضا اور گنبد زرقا کہلاتا رہا۔ اب گنبد خضرا ہے (۱' ص ۸۷)۔

کتاب میں جدید سعودی مملکت' اس کے بڑے شہروں' خصوصاً جدہ اور ریاض کی تعمیر جدید (مع ان کی قدیم تاریخ) اور بعض اداروں جامعہ ام القریٰ' جامعہ ریاض اور مدینہ یونی ورسٹی کے بارے میں بھی مفید اور دلچسپ معلومات ملتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مولانا مودودی ؒ نے شاہ سعود کی دعوت پر مدینے کی مجوزہ اسلامی یونی ورسٹی کے بارے میں ایک مفصل سکیم پیش کی۔ مقامی علما کا اصرار تھا کہ یونی ورسٹی میں صرف حنبلی فقہ پڑھائی جائے' لیکن مولانا مودودی ؒ کی تجویز تھی کہ مستقبل کے علما میں اجتہادی ذوق اور نظر پیدا کرنے کے لیے' چاروں فقہی مذاہب کو دلائل کے ساتھ پڑھایا جائے۔ معاملہ کلیدی نوعیت کا تھا اس لیے رائے شماری کی نوبت آگئی اور ۱۲ کے مقابلے میں مولانا مودودی ؒ کی تجویز ۱۸ کی کثرت رائے سے منظور ہوئی (۲' ص ۲۱)۔

مصنف' جامعہ ریاض کے زمانہ طالب علمی کو اپنی "زندگی کے روشن ترین ایام" شمار کرتے ہیں' اور کیوں نہ ہو' اس زمانے میں انھوں نے نہ صرف "آسمان علم و فضل کے نجوم العلوم" اپنے اساتذہ سے کسب فیض کیا' بلکہ "آنحضور ؐ کے نقش قدم پر" چلتے' سفر کرتے ہوئے' ماحصل کے طور پر انھیں زیر نظر کتاب تالیف کرنے کی توفیق میسر ہوئی۔ این سعادت بزور بازو نیست۔

یہ کتاب مقامات نبوی ؐ کا سفرنامہ ہے اور ان کی تاریخ بھی۔ اسے سیرت پاک ؐ کا ایک دل کش اور مستند مرقع بھی کہہ سکتے ہیں جسے ایک پُرجوش زائر نے آپ ؐ سے والہانہ عقیدت و شیفتگی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ مصنف نے بیانیے کو زیادہ مفصل' واضح اور موثر بنانے کے لیے قرآن' حدیث' سیرت' تاریخ' عربی ادب' قدیم و جدید مشرقی و مغربی مصنفین کی تحقیقات اور کلام اقبال کا سہارا لیا ہے۔ نبی کریم ؐ سے اظہارِ عقیدت کا یہ ایک انوکھا انداز ہے۔ اردو میں حج کے سیکڑوں سفرنامے لکھے گئے اور سیرت نبی ؐ کا ایک وسیع و عظیم ذخیرہ بھی موجود ہے' لیکن ایک قلبی والہانہ جذبے سے سرشار ہو کر لکھی ہوئی یہ روداد' اور انتہائی محنت و جانکاہی کے ساتھ مرتب کی ہوئی یہ تاریخ' اردو سفرناموں اور کتبِ سیر میں' ایک منفرد کتاب کے طور پر یادگار رہے گی۔ (رفیع الدین ہاشمی)

حُسنِ تفسیر: ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ ناشر: فیروز سنز لاہور۔ صفحات جلد اول ۹۲۳' دوم ۷۶۷۔

قیمت: جلد اول ' ۳۰۰ روپے ' دوم ۲۵۰ روپے۔

مولف بتاتے ہیں کہ ۱۹۶۳ میں وقوع پذیر "ایک نفسیاتی جمالیاتی" لمحے میں انھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "قرآن عظیم کی تفسیر کبیر لکھنے پر مامور" (ص ۲۱) کیا تھا۔ چنانچہ ۲۸ برس تک مختلف علوم و فنون کی تحصیل اور ایک طویل تفکر و تحقیق کے نتیجے میں انھوں نے پہلے تو متعدد کتابیں تصنیف و شائع کیں ' پھر زیر نظر تفسیر لکھی ' جس کا پورا حصہ اول سورہ فاتحہ پر مشتمل ہے ' اور دوسرے حصے میں سورہ بقرہ کی فقط ۲۹ آیات تک کی تشریح سما سکی ہے۔

مقدمے (ص ۲۳ تا ۷۷) میں تفہیم قرآن کی شرائط (تلمیذ قرآن بننا ' آرزوئے ہدایت ' مطہر ہونا ' رزق حرام ' سود خوری ' تمباکو اور ناپاک مشروبات سے پرہیز وغیرہ) کا ذکر ہے ' پھر ایک تفصیلی دیباچہ (ص ۷۸ تا ۱۴۶) ' چند متفرق مباحث ' اس کے بعد "تعوذ" کی تفسیر (ص ۱۷۳ تا ۲۱۹)۔ یوں تقریباً دو سو صفحے کے بعد سورہ فاتحہ کی تفسیر شروع ہوئی ہے۔ طریق و ترتیب تفسیر یہ ہے: آیات کا اردو ترجمہ ' پھر تفسیری ترجمہ۔ اس کے بعد ' الفاظ و اصطلاحات کی لغوی تشریح ' پھر قرآنی تشریحات ' جس میں بہت سے ضمنی مسائل پر بھی کلام کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے مضامین و مباحث میں خاصا تنوع پیدا ہو گیا ہے۔

مولف کا نقطہ نظر بالعموم متوازن اور مثبت ہے ' مثلاً ان کے خیال میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب یہ ہیں کہ کسی اسلامی ملک میں صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ادارے قائم نہیں ہیں ' قرآن کو ترک کر دیا گیا ہے اور مسلمان ' اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہیں (ص ۲۸) ' رسول اکرم کا سب سے بڑا تاریخ ساز مثالی کارنامہ اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر ہے (ص ۱۳۸) وغیرہ۔

قرآن پاک کو سمجھنے اور سمجھانے کی سعادت جسے حاصل ہو جائے ' اس کی خوش نصیبی ہے ' اور اس سعادت کو حاصل کرنے کی ہر کوشش مستحسن ہے۔ مولف ایک معروف و مقبول صاحب علم و قلم شخصیت ہیں ' اور انھوں نے تفاسیر کی فہرست میں ایک ایسا اضافہ کیا ہے جو ان کے ذوق جمالیات و فلسفہ کا بھی مظہر ہے ' اور جو ' مباحث کے تنوع اور تفصیل کے اعتبار سے ایک دائرہ معارف نظر آتا ہے۔ یہ تفسیر بلاشبہ مصنف کی علمیت اور جانکاہی و محنت کا بہترین نمونہ ہے۔

"حسن تفسیر" کے حسن میں مزید اضافہ ہو جاتا اور ایک عام قاری بھی اس سے بخوبی استفادہ کر سکتا ' اگر مولف دو تین باتوں پر مزید توجہ دیتے یا شاید عام قاری ان کے پیش نظر نہ ہو۔ اول: لفظی تشریح اور لغوی تحقیق اس قدر طویل نہ ہوتی۔ دوم: انداز تشریح کچھ زیادہ فلسفیانہ ہے۔ سوم: کئی جگہ اسلوب ایک بلند تر علمی سطح کا حامل ہے ' اور اس وجہ سے یہ ' ایک عام قاری کے لیے قدرے نامانوس اور مشکل ہے ' مثلاً: "انسان کی تکمیل ذات اور غایت الغایات" کے عنوان سے دوسری جلد کا آغاز

اس طرح ہوتا ہے: ”عمر اس سوچ میں گزر گئی کہ انسان کی غایت الغایات کیا ہے؟ اور اس کے حصول کا ذریعہ یا ذرائع کیا ہیں؟ اور وہ اپنی ذات کی تکمیل کیسے کر سکتا ہے؟ سوچتے سوچتے جب رہوارِ عمر اپنے سفر کی ۵۷ منزلیں طے کر چکا تو ایک شب روحِ قرآن اپنے اس تلمیذ کے قلب پر مشہود ہوئی، اسرار کھلنے لگے اور مسئلہ حل ہونے لگا۔ یہ عالم مشہود کیا ہوا تھا؟ میں تو یہ جانتا ہوں کہ میرے لیے وہ عالم حسن و عشق تھا، جسے علم کے عالم تحیر و سرور سے تعبیر کر سکتے ہیں (ص ۱۵)۔

مولف نے بڑی صحیح بات کہی ہے کہ رسول کریمؐ معلم و مزکی تھے اور آپؐ نے اپنے رفقا کی تعلیم و تربیت قرآن حکیم کی روشنی میں کی (ص ۱۱۶ دوم)۔ اس بات کے پیش نظر، ہماری رائے میں، مختلف مسائل کی تشریح میں سیرت و حدیث سے بھرپور استشہاد بہت مفید ہوتا، مثلاً: تقویٰ، حروف مقطعات، متشابہات، انفاق فی سبیل اللہ اور ذکر منافقین جیسے اہم موضوعات کی تفسیر میں لغتوں کے حوالے تو ملتے ہیں، لیکن آپؐ کے فرمودات کا ذکر نہیں ملتا، حالاں کہ متذکرہ بالا موضوعات پر حدیث نبویؐ میں مفصل ہدایات موجود ہیں، جنھیں پیش نگاہ رکھے بغیر، ان مباحث کی کماحقہ تفہیم ممکن نہیں۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے بعض امور پر، دیگر مفسرین سے اختلاف بھی کیا ہے، مثلاً ان کے خیال میں آدم، ابلیس اور حوا کا قصہ ایک تمثیلی روداد ہے۔ جنت کو لغوی معنی (باغ) میں استعمال کیا گیا ہے۔ آدم کو آسمانوں پر نہیں، بلکہ دنیا میں یعنی روئے زمین پر پیدا کیا گیا۔ وجود انسانی، تخلیق آدم سے پہلے موجود تھا (ص ۵۵۳، ۵۶۹، ۵۷۷، ۶۱۸، ۶۲۴، ۶۲۸ وغیرہ)۔ (ر۔ ھ)

ارمغانِ اقبال: ڈاکٹر رحیم بخش شاہین۔ ناشر: اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔ صفحات: ۲۳۸۔ قیمت: ۶۶ روپے۔

ڈاکٹر رحیم بخش شاہین، اقبالیات کے ماہر اور محقق ہیں، اور علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد سے بطور صدر شعبہ اقبالیات وابستہ ہیں۔ اس طرح ان کی منصبی ذمہ داریاں اور علمی سرگرمیاں ایک دوسرے سے ہم آہنگ و مربوط بھی ہیں اور باہم دگر معاون و موید بھی۔ شاہین صاحب اس سے قبل، اقبالیات پر متعدد تصانیف شائع کر چکے ہیں۔ اب انھوں نے ”ارمغانِ اقبال“ پیش کی ہے، جو ان کے تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے۔

”ارمغان اقبال“ اس مجموعے کا پہلا اور ایک لحاظ سے کلیدی مقالہ ہے۔ یہ علامہ اقبال کے وہ نوٹس ہیں، جن کی بنیاد پر وہ قرآن، اسلام اور اجتہاد پر کچھ لکھنا چاہتے تھے۔ شاہین صاحب نے انگریزی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا ہے (اس سے پہلے بعض اصحاب نے اس ضمن میں جو کام کیا، وہ

ادھورا تھا اور ناقص) پھر متن کے بعض موضوعات و شخصیات پر مفصل حواشی دیے ہیں' اور آغاز میں نہایت سیر حاصل پس منظر ۔ ۲۷ صفحات کا یہ جامع مقالہ ' بڑی محنت و کاوش سے تیار کیا گیا ہے ۔

"شیخ نور محمد 'پدر و مرشد اقبال" کی حیثیت سوانحی ہے 'جس میں مولف ۔ اس موضوع پر تمام دستیاب لوازمہ 'تحقیقی انداز میں مرتب کر دیا ہے ۔علامہ کے والد گرامی کے ایسے مفصل حالات شاید ہی کہیں اور دستیاب ہوں ۔مگر بھارت کے محمد عظیم فیروز آبادی نے شیخ نور محمد کے نام (نور محمد / میر محمد / نتھو) کے بارے میں جو شکوک و شبہات پھیلائے 'ضروری تھا کہ ان کا جائزہ بھی لے لیا جاتا۔

"تیسری گول میز کانفرنس اور اقبال" میں کانفرنس کے پس منظر' مقاصد اور علامہ کے عزم یورپ ' لندن کی مصروفیات ' واپسی پر پیرس میں برگساں سے ملاقات 'سفر ہسپانیہ 'مسجد قرطبہ کی زیارت ' واپسی پر لاہور میں علامہ کا خیر مقدم اور تاثرات سفر کا بیان ہے ۔اس سفر کی ایسی مفصل روداد بھی شاید پہلی بار مرتب کی گئی ہے ۔مضمون کے بعض حصے (جیسے پیرس کی مصروفیات 'سپین کا سفر'مسجد قرطبہ کا تعارف اور تفصیل وغیرہ) کانفرنس کے دائرے میں نہیں آتے ۔اس اعتبار سے "علامہ اقبال کا تیسرا سفر یورپ" اس مضمون کا زیادہ حسب حال عنوان ہے ۔ ص ۲۲۵ پر' ایک مختصر سے حاشیے کے سوا' انھوں نے محمود الرحمٰن کی روایت (تو درج کر دی 'مگر اس) کے استناد پر بحث نہیں کی ۔صدیق جاوید کی تنقیح کے بعد' تو یہ اور بھی ضروری تھا۔ہمارے خیال میں محمود الرحمٰن کی روایت بڑی حد تک بے سروپا ہے ۔

تین مضامین 'شخصیات کے حوالے سے ہیں: مولانا محمد علی جوہر اور علامہ اقبال ۔علامہ اقبال اور اکبر الہ آبادی ۔اقبال اور نقاش فطرت ایم اسلم ---(موخر الذکر دراصل 'اقبال کے بارے میں ایم اسلم کی یادداشتوں کی روداد ہے) جوہر و اکبر سے علامہ اقبال کے ربط و تعلق پر کئی اصحاب نے قلم اٹھایا ہے ' مگر اس تفصیل سے باہمی تعلقات اور فکری و ذہنی رابطوں کا بیان غالباً پہلے کہیں نہیں ہوا۔

دو مضامین مکاتیب اقبال سے متعلق ہیں 'جن میں دو' نو دریافت مکاتیب (مع پس منظر و حواشی) پیش کیے گئے ہیں ۔ایک تو سید نذیر احمد نیازی کے نام گم شدہ خط ہے اور دوسرا انبالہ کے ایک ایڈووکیٹ اور سماجی شخصیت سید محمد حنیف کے نام ۔ان کی حیثیت 'علامہ کے ذخیرۂ مکاتیب میں ایک قابل قدر اضافے کی ہے ۔

یہ مجموعہ ' اقبالیات کی وقیع کتابوں میں شمار ہونے کے لائق ہے ۔ ڈاکٹر شاہین کسی موضوع پر دستیاب جملہ مآخذ کی مدد سے 'موضوع کے جملہ پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں اور تفصیل اور پھیلاؤ کے باوجود وہ اہم نکات کو ایک خاص ربط اور سلیقے سے پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں ۔امید ہے علمی

حلقوں میں "ارمغان اقبال" کا یہ نظر استحسان خیر مقدم کیا جائے گا۔ افسوس ہے ایسی عمدہ کتاب کا اشاعتی معیار کچھ زیادہ اچھا نہیں ہے۔ (ر ۔ د)

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ جلد دوم (قومی اسمبلی میں قادیانی مقدمہ) مرتب: مولانا اللہ وسایا۔ ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔ صفحات: ۲۷۲۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

عقیدہ ختم نبوت، اسلام اور دین و شریعت کا بنیادی ستون ہے۔ ختم نبوت میں کسی طرح کا شک و شائبہ خرمنِ ایمان کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ انیسویں صدی کے اختتام پر مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کے عقیدے پر تیشہ چلایا اور اپنی افرنگ زدہ نبوت کا بیج بونا شروع کیا، تو اسی وقت دلیل اور تبلیغ کے میدان میں علمائے حق نے اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ قادیانی نبوت کے تار و پود بکھیرنے میں علامہ محمد اقبال، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شورش کاشمیری اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کے حوالے سے، قومی اسمبلی میں قادیانیوں کی ربوہ جماعت کے امیر مرزا ناصر احمد اور لاہوری گروپ کے امیر صدر الدین پر جو جرح کی گئی، زیر نظر کتاب اس کی روداد پر مشتمل ہے۔ فاضل مرتب مولانا اللہ وسایا صاحب کا فراہم کردہ یہ قیمتی لوازمہ، قومی اسمبلی کے ریکارڈ پر مبنی ہے۔ یہ کام بلاشبہ بہت اہم اور لائق تحسین ہے۔

اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے جس فاضلانہ اور ماہرانہ انداز میں "ختم نبوت" کا کیس پیش کیا، وہ پاکستان کی آئینی تاریخ میں عدالتی تجزیے کا شاہکار ہے۔ امر واقعہ ہے یہ کتاب بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر کے قادیانی مسئلے کے حقیقی تناظر کو نکھار کے رکھ دیتی ہے۔ اس کتاب کا انگریزی اور عربی ترجمہ وقت کی ضرورت ہے۔ پروف کی اغلاط اور ترتیب و پیش کش کے سقم دور کر لیے جائیں تو اس کی افادیت اور بھی زیادہ بڑھ جائے گی۔ چوتھے باب کو اس سے الگ کر کے مزید تفصیلات کے ساتھ شائع کرنا بھی بہت مفید رہے گا۔

مرتب نے کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے: "بھٹو حکومت نے اپنے وعدے کے باوجود قومی اسمبلی کی اس کارروائی کو شائع نہ فرمایا، اب جناب ذوالفقار علی بھٹو کی صاحب زادی بے نظیر صاحبہ برسراقتدار ہیں، قدرت ان کو توفیق دے.... اس وقت [یعنی ۱۹۷۴ء میں] اسمبلی کے ارکان اور دوسرے اکابر سے اسمبلی کی کارروائی کے متعلق زبانی اور تحریری جو معلومات حاصل ہوتی رہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کے حکم پر فقیر مرتب کرتا رہا... تاہم اگر کسی دن یہ کارروائی

حکومت نے شائع کر دی تو ان شاء اللہ ہمیں اپنی دیانت پر اتنا اعتماد ہے کہ آپ کو سوائے اجمال و تفصیل کے اور کوئی فرق نظر نہ آئے گا" (ص ۷-۸)۔

ہمارا خیال ہے کہ مولانا نے "عذر گناہ" کے طور پر جو کہا ہے اس کی ضرورت نہ تھی۔ در حقیقت تو یہ ساری داستان قومی اسمبلی کا اصل ریکارڈ ہی ہے (انگریزی حصوں کا ترجمہ کیا گیا ہے' یا ممکن ہے' کسی جگہ معمولی سی ترمیم کی گئی ہو) جسے بیورو کریسی خفیہ رکھنا چاہتی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۵۳ میں تحریک ختم نبوت کی انکوائری رپورٹ (المعروف منیر رپورٹ) ایک خاص زاویے سے مرتب کی گئی تھی جس کا مقصد دینی طبقے کا مذاق اڑانا اور ختم نبوت کے مسئلے کو نوکر شاہانہ شعبدہ بازی کی بھینٹ چڑھانا تھا' اس لیے حکومت نے اس رپورٹ کا فی الفور انگریزی اور اردو (غالباً بنگلہ میں بھی) ترجمہ کر کے پورے پاکستان میں پھیلا دیا۔ بعد ازاں جب بھی قومی نوعیت کا معاملہ درپیش آیا تو اسے "خفیہ" کہہ کر دبا دیا گیا۔ یہ حمود الرحمن کمیشن رپورٹ ہو' جسٹس صمدانی کمیشن رپورٹ ہو یا قومی اسمبلی کی ختم نبوت رپورٹ' سبھی کو سرخ فیتے کی نذر کر دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۷۴ میں قومی اسمبلی کی جس رپورٹ میں قادیانی نبوت کی دھجیاں بکھر گئیں' اسے دبایا ہی اس لیے گیا ہے کہ یہ رپورٹ "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کے مصداق ہر چیز کو روز روشن کی طرح عیاں کر رہی ہے۔ اگر فاضل مرتب زیر نظر رپورٹ کو برملا اور ڈنکے کی چوٹ شائع کر دیتے تو بہت بہتر تھا۔ اس طرح شاید کچھ جواب دہی کرنی پڑ جاتی لیکن اس سے ایک طے شدہ دینی اور آئینی مسئلے کو خواہ مخواہ سرد خانے کا شکار کرنے والوں کو بھی سبق ملتا۔ بہرحال یہ کتاب ایک بہت بڑی سچائی کا دستاویزی مظہر ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں صحیح صورت واضح کر دی جائے تو بہتر ہو گا۔ حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ خود اس روداد کو من و عن شائع کر دے۔ (سلیم منصور خالد)

جریدۃ الاتحاد سہ ماہی مدیر عبدالجبار عابد' ناشر: جمعیت اتحاد العلماء پاکستان منصورہ ملتان روڈ' لاہور۔ صفحات: ۱۳۵' قیمت: ۱۵/ روپے۔

جمعیت اتحاد العلما کے سہ ماہی رسالے کا یہ پہلا شمارہ ہے جس نے اپنے مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے ملت اسلامیہ اور پاکستان کے لیے اتحاد جیسے اہم وقت کے موضوع پر ایک خصوصی شمارہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ لکھنے والوں میں مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل' مولانا گلزار احمد مظاہری' مولانا گوہر رحمٰن اور مولانا عبدالمالک جیسے معزز اور محترم نام شامل ہیں۔ علما معاشرے کا ایک نہایت اہم حصہ ہیں جو عوام کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں جدید تعلیم یافتہ طبقے میں تعصب

بھی پائے جاتے ہیں۔ دوسری طرف ان کی قوت کا راز یہ ہے کہ عوام ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ اگر یہ ترجمان رسالہ ، باہمی دیواریں توڑ کر ، ہر حلقہ میں جائے اور اپنا مقام حاصل کر لے تو مفید خدمت انجام دے سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے بہت محنت اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے ، اشاعت سے پہلے بھی اور اشاعت کے بعد بھی۔ اس وقت دینی مدارس عالمی موضوع ہیں۔ طالبان نے بھی ان کی اہمیت ایک نئے رخ سے واضح کی ہے۔ حکومت پاکستان کو بھی ان کی فکر ہو رہی ہے۔ ان حالات میں کام کرنے کا ایک بہت وسیع میدان ہے۔ علما کے متعدد اپنے اپنے رسالے شائع ہوتے ہیں۔ جریدۃ الاتحاد کو منفرد و ممتاز رکھنے اور ہر حلقے میں قبولیت عام دلوانے کے لیے کئی تدابیر کی ضرورت ہوگی۔ اسے صرف اتحاد کے علما کے بجائے ہر حلقہ کے علما کی تحریروں کا گلدستہ ہونا چاہیے۔ رسالوں کی فہرست میں ایک کے اضافہ سے کوئی بہتری رونما نہ ہوگی۔ جس حلقے میں شخصیات کی اتنی اہمیت ہے وہاں پہلی اشاعت میں صرف دو پیغامات کوئی اچھی علامت نہیں۔ نیز فہرست میں مضمون نگاروں کے نام کا حذف بھی محسوس ہوا۔ (مسلم سجاد)

مدیر کے نام

سید فضل معبود ' پشاور

آپ نے کتابت ' طباعت اور انتخاب مضامین میں عصری مزاج کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر خوش گوار تبدیلیاں کی ہیں ۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھل گئی ہے ۔ آپ کی محنت کا اندازہ کرتے ہوئے دعائیہ جذبات پیدا ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور رسالہ کو مزید بہتر بنانے کی توفیق دے ۔ فلسفہ اور سائنس کے موضوع پر پروفیسر عبدالقدیر سلیم کی تحریر میں شگفتگی نے اسے عام فہم بنا دیا ہے ورنہ ادق فلسفیانہ موضوعات سے پڑھنے والے پسپائی اختیار کرتے ہیں ۔ مسلم سجاد صاحب نے نومسلمہ کے مضمون کی تلخیص و ترجمہ کے بعد اب کی بار بھی نہایت اہم موضوع پر بیش قیمت معلومات سے نوازا ہے ۔ یورپی ممالک میں مسلمانوں کے حالات پر تازہ ترین معلومات کی بہت ضرورت ہے ۔ ۶۰ سال پہلے اور حکمت مودودی کے موضوعات میں بہت وسعتیں ہیں ۔ ان میں اضافہ کی ضرورت ہے ۔

عبدالقدیر سلیم ' کراچی

ترجمان القرآن کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی ہے ۔ واقعی آپ نے اس پرچے پر بڑی محنت کی ہے اور کر رہے ہیں ۔ آپ کے حالیہ دو تین "اشارات" بڑے برمحل ' اور وقت نظر سے لکھے گئے تھے ' خصوصاً امریکی امداد والا ۔ مسائل کے سلسلے میں آپ کا موقف عموماً بہت متوازن ہوتا ہے ۔ شخصیات کے سلسلے میں پرچہ غیر متوازن لگا ۔ خلیل حامدی صاحب یا ملک غلام علی صاحب کے بارے میں ایک ہی بھرپور مضمون کافی ہوتا ' بجائے اس کے کہ زعمائے جماعت کے علاحدہ علاحدہ مضامین ہوتے ۔

منیر احمد خلیلی ' ابوظبی

ترجمان القرآن کا معیار انتہائی تسلی بخش ہے ۔ اشارات اور رسائل و مسائل سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے منصب کی نزاکت کا شدت سے پاس و لحاظ ہے ۔ کارکنوں کی رہنمائی کے ضمن میں آپ رجحانات جدیدہ کے تابع نظر نہیں آتے ہیں ۔ شریعت کے تقاضے پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں ۔ کہیں

کہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کی فکر کی جو تعبیر آپ کر رہے ہیں' مولانا کی فکر کے مزاج سے واقف لوگوں کے لیے وہ تعبیر کچھ نئی اور کسی قدر کھٹکنے والی ہوتی ہے۔ تاہم مجموعی طور پر پرچے کی روح کہیں متاثر نظر نہیں آتی ہے۔ علمی جرائد میں دوسرے پرچوں سے اہل قلم کے رشحات فکر شائع کرنا نہ نئی چیز ہے اور نہ معیوب' تاہم آپ کے پاس ترجمان کے معیار کے مطابق لکھنے والے اہل دانش کی کمی نہیں ہونی چاہیے۔

نور اکینہ قاضی' کوئٹہ

مایوسی پر اشارات نہایت توجہ سے پڑھے' آپ نے واقعی اس موضوع پر لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ وطن عزیز کی موجودہ حالت مایوسی ہی کا نتیجہ ہے۔ مایوسی ختم ہو جائے تو حالات بھی درست ہو جائیں۔ چیچن مسلمانوں کے بارے میں مضمون بہت عمدہ ہے۔ فروری کے شمارے میں رسائل و مسائل نے بھی رہنمائی کا حق ادا کر دیا ہے۔

محمد ابراہیم قریشی سابق سفیر' اسلام آباد

ترجمان القرآن ایک اہم ضرورت کو پورا کر رہا ہے۔ اپنی فکری اصلاح کے بغیر ہم نہ ہی اسلام کو صحیح طور پر مغرب میں پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس دور کے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اشفاق احمد/ بانو قدسیہ' لاہور

دین کے معاملے میں اضافی جتیں ترجمان القرآن کی بدولت وا ہوئی ہیں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔

ایڈمرل محمد شریف (ریٹائرڈ)' اسلام آباد

میں اس رسالہ کا پچھلی نصف صدی سے قاری ہوں اور اس کا باقاعدگی سے خریدار ہوں۔ آپ کے انداز نظر میں فرق ضرور ہے لیکن رسالے کی اہمیت فی الحال اپنی جگہ پوری طرح سے برقرار ہے۔

ڈاکٹر صفدر محمود' لاہور

میں نے ترجمان القرآن کو بے حد مفید پایا۔

طاہر مسعود' کراچی

ترجمان میں آنے والی تبدیلیاں خوش آئند ہیں۔

کرنل غلام سرور' راولپنڈی

میں ترجمان القرآن بڑی توجہ سے پڑھتا ہوں' اس عمل میں آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔

بریگیڈیئر چودھری مظفر علی خان زاہد ' راولپنڈی

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اسلام کی سربلندی کے لیے بے لوث خدمات قبول فرمائے۔

مہر محمد سعید اختر 'لاہور

دورِ نو کے تمام پرچے باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔ واقعی یہ امت و انسانیت کے مستقبل کا رہنما رسالہ ہے۔

ڈاکٹر بلال مسعود 'لاہور

پروفیسر عبدالقدیر سلیم کا "سائنسی فکر کا ارتقاء" (جنوری '۹۵) ایک منفرد حیثیت اور اہمیت کا حامل ہے۔ آسان تر الفاظ کے استعمال کے ذریعے اسے زیادہ قابلِ فہم بنایا جاسکتا تھا مثلاً آگ 'ہوا' پانی اور مٹی کے لیے کئی جگہ آتش 'باد' آب اور خاک جیسے مشکل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ صفحہ ۵۹ پر "برق 'رعد" کے بجائے آسمانی بجلی (یا محض "بجلی") بہتر ہوتا۔ Pragmatism کا لفظی اعتبار سے قریب تر ترجمہ "عملیت" ہو گا مگر "نتائجیت" اس کی روح کی بہتر ترجمانی کرتا ہے۔ Idealism کا ترجمہ "تصوریت" کے بجائے "مثال پرستی" مناسب تر ہوتا۔ (کیونکہ 'مثلاً ideal game کو مثالی کھیل کہا جاتا ہے)

شفقت علی 'شیخوپورہ

ترکی میں تحریکِ اسلامی (جنوری '۹۵) میں رفاہ کی بلدیات کے متعلق اعداد و شمار دیے گئے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے مالیات کے بارے میں بھی اعداد و شمار دیے جائیں۔ واضح طور پر لوگوں کو معلوم ہو کہ کتنے فی صد پیسہ جمع کرتے وقت ہضم ہوتا ہے اور کتنا خرچ کرتے وقت 'اور اگر کرپشن رک جائے تو ملکی معیشت کو کتنا سہارا ملتا ہے۔ نیز غیر سودی بینکاری جہاں چل رہی ہے 'اس کے طریقہ و تفصیل پر بھی مضمون ہونا چاہیے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے بشارت دینے کے لیے اور تمہیں اپنی رحمت سے بہرہ مند بنانے کے لیے۔



یونس پنکھے

سالہا سال سے پسندیدہ
تربیت یافتہ تیکنیکی ماہرین کی
شب و روز محنت کا نتیجہ

یونس میٹل ورکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

یونس کالونی۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ فون ۵۲۵۲-۳،۵۲۵۳۰۳

فیکس نمبر: ۹۲-۳۳۳۱-۵۲۱۳۲۷

ٹیلکس نمبر 4590 YUNAS PK

گرام "یونس لمیٹڈ"

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل
اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

کے نئے رہائشی منصوبہ



ہل ویو

منظرِ کوہسار

راولپنڈی
اسلام آباد

سیکٹر پانچ کی بکنگ کا اعلان

○ سی ڈی اے اسلام آباد کے سیکٹر ۱۷ ای کے ساتھ مرگلہ پہاڑیوں کے حسین دامن میں جی ٹی روڈ سے ایک کلومیٹر ڈسٹرکٹ کونسل روڈ پر واقع ہے۔ ہاؤسنگ اینڈ فزیکل ڈیپارٹمنٹ آف پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ ہے۔ موٹروے کے قریب تر۔

○ کشادہ سڑکیں، خوبصورت جھیل اور پارکس، سکول، ڈسپنسری، مسجد کے لیے جگہ۔ ترقیاتی کام جاری ہیں۔

قیمت ۲۰ ہزار روپے فی مرلہ، جب کہ قریبی سوسائٹیوں کا ریٹ ۳۰ ہزار روپے فی مرلہ
فوری بکنگ آپ کے مفاد میں ہے۔

۳ ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرائیں
باقی رقم تین سال (۳۶ مہینوں) کی آسان قسطوں میں۔ یکمشت ادائیگی پر
۵ فیصد رعایت

معلومات کے لیے پمفلٹ مفت منگوائیں۔

شاداب کالونی میں

کمرشل پلاٹوں کی بکنگ کا اعلان

شاداب کالونی فیروز پور روڈ لاہور کی اسعد گیلانی مارکیٹ کے کمرشل پلاٹوں کی بکنگ کا اعلان ہوگیا ہے۔
۳۰ ہزار روپے بھیج کر ۳ مرلہ کا پلاٹ بک کرالیں
باقی رقم ۲۰ ماہانہ قسطوں میں۔

تحریک اسلامی سے وابستہ افراد کا با اعتماد ادارہ

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

شریف چیمبر 68 مزنگ روڈ لاہور فون: 6304754 6366005 6361501 فیکس: 6369520

کراچی میں ترجمان القرآن
یہاں سے حاصل کیجئے

فون نمبر	
7723955	۱- احمد نیوز ایجنسی 152- فریئر مارکیٹ صدر کراچی -
537730	۲- فیروز سنز مہران ہائٹس کلفٹن روڈ کراچی
575821	۳- بک اوشین بالمقابل بلاول ہاؤس کلفٹن کراچی -
531120	۴- فیملی بک شاپ کلفٹن کراچی
573801	۵- دفتر الخدمت کلفٹن کراچی -
	۶- سعید اختر محمد علی مارکیٹ کلفٹن روڈ کراچی -
	۷- ایجوکیشنل بک سینٹر اردو بازار کراچی -
7721906	۸- البدر بک کارپوریشن پریڈی ہاؤس ریگل صدر کراچی -
215034	۹- مکتبہ علوم اسلامیہ آرام باغ کراچی -
	۱۰- مکتبہ الکوثر پی آئی بی کالونی جیل روڈ کراچی -
	۱۱- مکتبہ معارف اسلامی D-35 بلاک نمبر5 ایف بی ایریا کراچی -
6330278	۱۲- محمد ایوب H-18 زاہد اسکوائر ایف بی ایریا بلاک 16 کراچی -
6613605	۱۳- مکتبہ تعمیر افکار عقب بقائی ہسپتال ناظم آباد کراچی -
	۱۴- دفتر الخدمت ملحق الفلاح مسجد نارتھ ناظم آباد کراچی
	۱۵- اسلامی کتاب گھر بالمقابل تھانہ تیموریہ شمالی ناظم آباد کراچی -
	۱۶- عبدالستار فاروقی مسجد طہٰ بفرزون نارتھ کراچی -
	۱۷- مولانا عبدالرحمن شاہ ولی اللہ نگر اورنگی ٹاؤن نمبر 11-1/2 کراچی 75800
	۱۸- ظہور الاحسان صدیقی 11-C/3 باجرہ آباد شاہ فیصل کالونی کراچی -
400803	۱۹- مکتبہ ادب اسلامی C-140/4 ملیر کالونی کراچی
407683	۲۰- مکتبہ رحمانیہ ملیر کالونی کراچی -
319376	۲۱- مکتبہ اسلامیہ عقب دفتر کے ای ایس سی لانڈھی نمبر 6 کراچی -
435979	- ملک محمد نواز اعوان 311-C/2 کمرشل ایریا طارق روڈ کراچی -

دی بک ڈسٹری بیوٹرز

B-152 خداداد کالونی کراچی —7800

سعودی عرب ،بحرین ،ابوظبی ، دبئ ، برطانیہ ،امریکہ ،کینیڈا ، جرمنی ،بنگلہ دیش ، ملائشیا
اور جاپان میں ترجمان القرآن حاصل کرنے کے لیے رابطہ پتے

MAKTABA KULLIAH ALHINSAH
JAMIATUL MALAE ABDUL AZIZ
P.O.BOX 9027 JIDDAH
SAUDI ARBIA.

SAIFULLAH SANAI
P.O.BOX 9178
DAMMAM 31413,
SAUDI ARABIA

ADAAB BOOK SHOP
P.O.BOX 287
MANAMA
BAHRAIN.

ANAYAT HUSSAIN GHAURI
P.O.BOX 382,
ABU DHABI
UAE.

MANZOOR ILAHI
P.O.BOX 621
DUBAI
UAE.

ICNA BOOK SERVICE
100, MELVIN AVE UNIT 3A
SEARBOROUGH ONTARIO
CANADA.

ARSHAD AHMAD BUTT
DAHLEMER, WECA 2A 21502
GEESTH ACHT
GERMANY

ISLAMIC CENTER OF JAPAN
TOSHIMA-KU, KAMI IKEBUKURU
3-25-11, COPO-FUJI 102
TOKYO 170 JAPAN

ICNA WORLD ISLAMIC MISSION
166-26, 89TH AVE JAMICA
N.Y. 11432 NEW YORK
USA.

ISLAMIC BOOK CENTRE
120, DRUMMOND ST.
LONDON N.W.I 2HL
UK.

UK ISLAMIC MISSION
121, OAKLANDS ROAD HANWELL
LONDON W7 2DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
401-403, ALUM ROCK ROAD
BIRMINGHAM B-8 3DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
19- CARRINGTON STREET.
GLASGOW G4 9AJ
UK.

UK ISLAMIC MISSION
1 TYDFIL PALACE
ROTH PARK CARDIFF
SOUTH WALES UK

SYED SHAUKAT ALI
DEPT. OF COMMUNICATIONS
INTL. ISL. UNI.P.O.BOX 70 JALANJAN
46700-PJ SELANGER MALAYSIA

RAFAY SAMNAN
423, BARA MUGH BAZAR
ELEPHANT ROAD DHAKA
BANGLA DESH

دیگر ملکوں میں بھی خواہشمند رابطہ کریں:

مینیجر ترجمان القرآن ‘ ۵۔اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور فون 042-7587916

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عید پر نٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

REGD. NO. L 5340

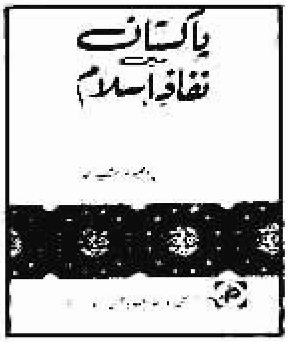
PHONES : 7587916
7585590

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE

وطن عزیز کی رواں تاریخ میں اہم ترین مسائل پر

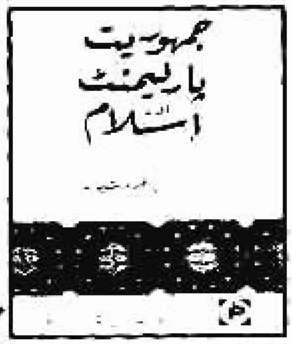
پاکستانی عوام کا حقیقی مؤقف

پروفیسر خورشید احمد کی سینٹ تقاریر سے انتخاب



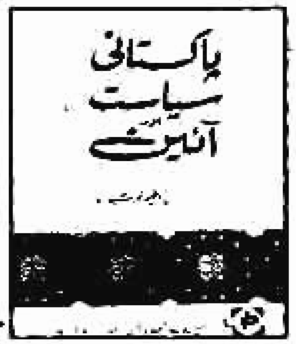
پاکستان میں نفاذ اسلام کی عملی جدوجہد کے اہم ترین مراحل کا تذکرہ بالخصوص اسلامی نظریاتی کونسل، شریعت بل، اسلام کا تصور جرم و سزا، نظام زکوۃ و عشر، قانون وراثت اور قانون مضاربہ جیسے موضوعات کا جائزہ

۲۱۰ روپے



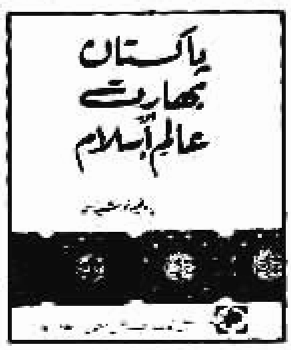
مارشل لاء، سیاسی جماعتوں کی بحالی، آٹھویں ترمیم، آزادیٔ صحافت اور مجوزہ بل، اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کا لائحہ عمل اور پیپلز پارٹی اور جونیجو حکومت کا اعداد و شمار سے بھرپور تنقیدی جائزہ

۲۱۰ روپے



صوبائی خود مختاری، مشترکہ مفادات کی کونسل، پیپلز ورکس پروگرام کی آئینی حیثیت، صدر کے صوابدیدی اختیارات، بلوچستان اسمبلی کی تحلیل کے مضمرات، عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی اور پلیسمنٹ بیورو جیسے مسائل پر پاکستانی آئین کے حوالے سے پروفیسر خورشید احمد کی چشم کشا گفتگو

۱۲۰ روپے



پاکستان کی خارجہ پالیسی کے اہم ترین مسائل مثلاً پاک بھارت تعلقات، مسئلہ کشمیر، جنگ خلیج اور عالم اسلام کے مسائل اور جہادِ افغانستان کے حوالے سے خصوصی تجزیہ

۸۰ روپے

مکمل سیٹ صرف ۵۰۰ روپے میں

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز بلاک ۱۹، نصر چیمبرز، مرکز ایف سیون - اسلام آباد فون ۸۱۸۲۳۰